اشارات سیرت پیغمبر انقلاب ﷺ

نبی کس کو کہتے ہیں ؟

جاننا چاہئے کہ مفہمین (یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کی حقیقت سمجھائی ہے) کہ بہت سے اقسام ہیں اور ان کی لیاقتیں اور قابلیتیں بھی جدا جدا ہیں انہی میں سے اللہ تعالیٰ نوعِ انسان کے لئے رہبر اور رہنما مقرر کرتا رہتا ہے۔ جب اللہ کی حکمت یہ چاہتی ہے کہ ان میں سے ایک کو اپنی مخلوق کی طرف بھیجے اور اس کو لوگوں کے تاریکی میں سے نکال کر روشنی کی طرف آنے کے لئے سبب بنائے تو لوگوں پر یہ فرض کرتا ہے کہ دل اور جان سے اس کی تابعداری کریں ۔ اور اسی کے لئے اس دنیا سے باہر کی مخلوق یعنی ملائکہ کی اُونچی جماعت میں یہ تجویز پاس کی جاتی ہے کہ جو آدمی اس کی تابعداری کرے گا اس سے ملائکہ راضی ہوں گے اور جو اس کی مخالفت کرے گا اس کے دشمن ہوجائیں گے اور اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ جب اللہ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس دنیا کے رہنے والے انسانوں

کو اس بات کی خبر دیتا ہے اور ان پر اس بھیجے ہوئے انسان کی تابعداری کرنا لازم ٹھہراتا ہے۔ اس بھیجے ہوئے بزرگ کو جس کی تابعداری کرنا لوگوں پر لازم ہے نبی کہا جاتا ہے۔

اللہ والوں کے اقسام

اوپر گزر چکا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کی حقیقت سمجھائی ہے ان کے بہت سے اقسام ہیں ۔ پھر ان میں سے کوئی کامل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کی حقیقت سمجھنے میں کمال کو پہنچ چکا ہے۔ یہی نبی کی شان ہے)، کوئی حکیم ہے (یعنی اللہ کی بادشاہی میں جو حکمت رکھی ہوئی ہے وہ اس کو سمجھتا ہے) کوئی "مؤیّد بروح القدس" ہے (یعنی انسانیت کو کمال تک پہنچانے کے لئے جو کام اس پر رکھا ہوا ہے یا اس نے اپنے اوپر لیا ہے اس میں اس کی مدد روح القدس سے ہوتی رہتی ہے)، کوئی لوگوں کو راستے دکھانے والا "ہادی" اور ان کو پاک کرنے والا "مزکی" ہے، کوئی امام (یعنی قوموں کا رہنما) ہے۔ کوئی مُنذِر (یعنی کاموں کے نتائج کی پہلے سے خبر دینے والا) ہے۔

سب سے بڑا نبی کون ہے؟

انبیاءمیں سب سے بڑی شان و الا وہ نبی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کے ساتھ دوسری اقوام کی طرف بھی نبی بناکر بھیجا ہو۔ پھر وہ نبی اپنی قوم کو اندھیروں میں سے

روشنی کی طرف نکالنے کا سبب ہوگا اور اس کی قوم دوسرے اقوام کی رہنما بنے گی یہ دونوں باتیں محمد رسول اللہ ﷺ میں موجود ہیں ۔ پہلی بات کی طرف سوۂ جمعہ کی دوسری اور تیسری آیت میں ارشاد ہے۔ ان دونوں آیتوں کے معنی یہ ہیں "اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے ظاہر گمراہی میں تھے اور ان میں سے دوسروں کے لئے بھی (اس کو بھیجا ہے) جو اب تک اُن (پہلوں) سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔"۔ دوسری بات کی طرف سورۃ آل عمران کی ایک سو دسویں آیت میں اشارہ ہے، اس آیت کے معنی یہ ہیں "تم اچھے کام کا حکم کرتے ہو اور برے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اگر کتاب والے ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ کچھ ان میں سے ایمان والے ہیں اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہیں ۔"۔ اور مندرجہ ذیل احادیث میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

⋆ حدیث: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (لوگوں کے لئے) آسانی پیدا کرنے والا بناکر بھیجا ہے اور ان پرتنگی کرنے والا بناکر نہیں بھیجا(یعنی اُمتِ محمدی کے افراد بھی انسانوں کی ہدایت کے لئے اس طرح بھیجے ہوئے ہیں جس طرح انبیاءعلیسلم کو بھیجا جاتا ہے)

علاوہ اس کے رسول اللہ ﷺ میں علم کے وہ سب اقسام موجود تھے جو جدا جدا ان لوگوں میں موجود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کی حقیقت سمجھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو انبیاءتھے ان میں سے کسی کو ایک قسم کا علم تھا کسی کو دو قسموں کا لیکن علم کے تمام اقسام رسول اللہ ﷺ کے سوا دوسرے کسی میں بھی نہ تھے (یعنی انبیائ، حکماءاور جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے، رہنما اور اماموں کے جتنے بھی جدا جدا علم ہیں ، علم کے وہ سب اقسام ہمارے نبی کو حاصل ہیں)۔

نبیوں کو انبیاء بناکر کیوں بھیجا جاتا ہے؟

یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت رسولوں کو بھیجنے کی تب خواہش کرتی ہے، جب رسولوں کے بھیجنے میں کسی قسم کی بھلائی ہو، اس بھلائی کو اللہ غیب دان کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا، لیکن بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کو ہم بھی جانتے ہیں ، وہ اسباب رسولوں کے بھیجنے کے وقت ضرور پائے جائیں گے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ وقت کسی نئی حکومت (یعنی نئے نظام حکومت) کے ظاہر ہونے اور پہلی حکومت کے برباد ہونے کا ہوگا، پھر اس وقت اللہ تعالیٰ ایسا رسول بھیجے گا جو اس نئی حکومت کا دین یا قانون قائم کرے گا اور

پرانی حکومت برباد ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سردار محمدﷺکو اس کام کے لئے نبی بناکر بھیجا ہے۔ کہ قیصر و کسریٰ کی سرمایہ دارانہ (یعنی سرمایہ پرستانہ) اور ظالمانہ حکومتوں کو مٹاکر خلافت الٰہی کی عادلانہ حکومت قائم کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کو نبی بناکر بھیجنے کی حکمت

جب ہر قوم (ملت) کا دین اور دھرم جدا ہوگیا اور ہر ایک قوم نے خاص طریقہ اختیار کرلئے اور ان رسومات اور طریقوں کو قائم رکھنے کے لئے دوسری قوموں کے ساتھ پہلے زبان کے ساتھ انہوں نے جھگڑے کئے اور اس کے بعد اپنے مخالفین پر غالب آنے کے لئے اپنے ہتھیار اُٹھا کر ان سے جنگ بھی کی اور ان میں ظلم پھیل گیا۔ اور کتنے کام جو ان کو کرنے تھے ان کو انہوں نے چھوڑدیا۔ اور ہرجماعت نے دوسری جماعت پر لعنت کی۔ اور ان کو برا سمجھ کر ان کے ساتھ جنگ جاری رکھی اور قوموں کے آپس میں جھگڑے کے سبب حق چھپ گیا۔ تب ایک راہِ راست پر چلنے والے امام یا پیشوا کی ضرورت پڑی جو تمام جماعتوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسا حق پر چلنے والا خلیفہ (اللہ کا نائب) ظالم بادشاہوں کے ساتھ کرتا ہے۔ (یعنی یہ پیشوا مختلف جماعتوں کو ملاکران کو ایک جماعت بنائے گا)۔ یہ امام (پیشوا) جو جدا جدا جماعتوں

کو ملاکر ایک جماعت بنائے گا اس کو چند اصولوں پر چلنا ہوگا۔ان اصولوں میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو راہِ راست کی طرف بلائے گا۔ اور اُن(کے اخلاق) کو پاک کرے گا اور ان کی حالت درست کرے گا۔ اس کے بعد ان سے ایسا کام لے گا جیسا اپنے اعضاءسے لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے جدا جدا ملکوں میں بھیج دے گا۔ اور سیدھے راستے پر نہ چلنے والی دُنیا سے جنگ بھی کرے گا۔ یہ تیسرے فائدے میں بیان کی ہوئی آل عمران کی آیت ۱۱۰ کے معنیٰ ہیں ۔

اس پہلے اصول پر امام کو اس لئے چلنا پڑے گا کہ اس اکیلے امام (پیشوا) سے دنیا کی بے شمار جماعتوں کے ساتھ مقابلہ نہ ہوسکے گا۔ اور گمان بھی یہ ہے کہ سیدھے راستے پر چلانے کے لئے جنگ کے بڑے ساز و سامان اور پوری فوج کے سوا (جن کے حاصل کرنے کے لئے نبی (امام) کی عمر کافی نہیں ہے) وہ دوسری جماعتوں کی تابعداری قبول نہیں کرے گی جیسے کہ اس وقت کے موجودہ ادیان والوں (یہود، عیسائی اور مسلمانوں) کے شروع زمانے میں ہوا۔ کیونکہ ان میں سے جو لوگ ابتدا میں اپنے اپنے انبیاءعلیسلم پر ایمان لائے۔ وہ بالکل تھوڑے تھے۔ اس نبی کے بعد وہ آہستہ آہستہ طاقت ور ہوئے اور اقوام کی ہدایت کا سبب بنے اور حق کے لئے انہوں نے لڑائیاں کیں ۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں ملک کی حالت اور آپ نے اُسے کیسے بدلا؟

جن ملکوں کی آب و ہوا معتدل ہے (جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کا مزاج بھی معتدل ہے) وہ ملک رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت دو بڑے بادشاہوں کے قبضے میں تھے۔

۱۔ کسریٰ (ایران کا بادشاہ) جس کا عراق، یمن، خراسان اور ان ملکوں کے اردگرد والے ملکوں پر قبضہ تھا،ماوراءالنہر سندھ اور ہندوستان کے بادشاہ بھی اس کے ماتحت تھے اور ہر سال اس کو خراج دیتے تھے۔

۲۔ قیصر (روم یا یورپ کا بادشاہ) جس کا شام، روم اور ان ملکوں کے ارد گرد والے علاقوں پر قبضہ تھا۔ مصر، مغرب اور افریقہ کے ملک بھی اس کے ماتحت تھے اور ہر سال اس کو خراج دیتے تھے۔ پس ان دونوں بادشاہوں کو شکست دینے اور ان کے ملکوں پر غالب آنے کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ جس نے ان کو شکست دی اس کا تمام پر غلبہ ہوگیا (اُمتِ اسلامیہ نے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان دونوں حکومتوں کو فتح کر کے گویا روئے زمین کو اپنے قبضے میں کرلیا)۔ اس کے علاوہ ان دونوں بادشاہوں کی عیش و عشرت کی عادات ان کے ماتحت ملکوں میں پھیل گئی تھیں پس ان عادات کے بدلنے اور ان عادات سے لوگوں کو روکنے کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ گویا تمام ملکوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ ان

عادات کو چھوڑدیں (ورنہ ان پر تباہی آئے گی)۔

لیکن جن ملکوں کی آب و ہوا اور وہاں کے لوگوں کا مزاج معتدل نہیں ہے ان کا انسانی نوع کی اصلاح میں کوئی خیال نہیں کیا گیا ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اس ٹیڑھے راستے کو سیدھا کرے اور لوگوں کے لئے ایک ایسی جماعت (امتِ اسلامیہ) پیدا کرے جو ان کو اچھے کام کا حکم کرے اور بُرے کام سے روکے اور ان کے بگڑے ہوئے رسم و رواج کو بدلے تب یہ بات اس پر موقوف ہوئی کہ قیصر و کسریٰ کی حکومت برباد کی جائے۔ اور ان کی پیداکی ہوئی بُری عادتوں کو درست کیا جائے کیونکہ ان کی پیدا کر دہ حالت نے معتدل مزاج ملکوں میں گہرا اثرکیا تھا۔ اس لئے ان دونوں بادشاہوں کے برباد ہونے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ کسریٰ برباد ہوگا اور اس کے بعد کوئی بھی کسریٰ پیدا نہ ہوگا اور قیصر برباد ہوگا اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر پیدا نہ ہوگا۔ اور تمام دنیا کے باطل کو مٹانے والا (قرآن کریم) اللہ کی طرف سے نازل ہوا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عرب کے باطل عناصر کو رسول اللہ ﷺ اور اس کے صحابہ کے ہاتھوں سے مٹائے گا۔ اور پھر اسی عرب کے ہاتھوں سے قیصر اور کسریٰ کے باطل کو مٹائے گا اور باقی ملکوں کے باطل کو ان دونوں بادشاہتوں کے رہنے والوں کے ہاتھوں سے مٹائے گا۔

مہاجرین اولین اور انصار سبب بنے قریش اور قریش کے ارد گرد رہنے والوں کے اسلام میں داخل ہونے کا پھر ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے عراق اور شام فتح کرایا۔ اس کے بعد عراق اور شام والوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے فارس اور روم فتح کرایا۔ پھر ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان وترکستان اور سوڈان فتح کرایا۔ گویا کہ یہ کام ایک مکان کی طرح ہے۔ جو دیواروں پرکھڑا ہوتا ہے۔ اور دیواریں بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہیں ۔

مذکورہ بالا چھ فوائد سے رسولوں کے بھیجنے کی حکمت بھی سمجھ میں آگئی اور یہ بات بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے آنے سے جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ قرآن پر عمل کرنے سے ہوا۔ پس اس تمام نتیجہ کو قرآن کی تعلیم کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اور اس نتیجہ کے پیدا کرنے کے لئے قرآن کو نازل کیا گیا ہے۔ (یہ چھ فوائد امام ولی اللہ دہلوی کی کتاب حجہ اللہ البالغہ سے لئے گئے۔)

★

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا اصل مول متہ کیا تھا؟

رسول اللہ ﷺ نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ خود ابراہیمی ملت کو ان کے فرزند اسمٰعیل علیسلم کے طریقہ پر زندہ کرنا چاہتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت موسیٰ علیسلم گزر چکے تھے اور وہ بھی ابراہیمی ملت کو زندہ کرنا چاہتے تھے

لیکن اسرائیل (یعقوب) بن اسحاق بن ابراہیم علیسلم کے طریقہ پرہ اس لئے رسول اللہ کی نظر ہمیشہ موسیٰ علیسلم کی شریعت پر پڑتی ہے جیسا کہ قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیکُمْ رَسُولًا شَاہِدًا عَلَیکُمْ
کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُولًا (سورہ مزمل ۱۵)

(یعنی بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک گواہی دینے والا رسول بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا) اس آیت میں مذکورہ بالا بات کی طرف اشارہ کیا ہوا ہے۔

تمام شریعتوں کا اصل، حظیرۃ القدس (اس جہان کا انتظام کرنے والی مقدس مجلس) میں موجود ہے۔ پس جن بزرگوں کا تعلق حظیرۃ القدس سے ہے وہ ہر شریعت کو وہاں سے معلوم کرسکتے ہیں ۔ رسول اللہ بھی موسیٰ علیسلم کی شریعت کو وہاں سے معلوم کرتے تھے۔

۲۔ رسول اللہ نے دنیا کی اقوام تک دین حنیفی کی کیسے تبلیغ فرمائی؟

رسول اللہ نے عرب کے سوا تمام دنیا کو اس طرح دعوت دی اور ارشاد فرمایا کہ توراۃ اور قرآن کی تعلیم ایک ہی ہے۔ اگر تم کو ان دونوں کتابوں میں سے کسی کتاب کی تعلیم پر اعتراض ہے تو تم ان دونوں کتابوں جیسی تعلیم پیش کرو۔ اگر تمہاری تعلیم توراۃ اور قرآن کی تعلیم

سے زیادہ رہنما ثابت ہوئی تومیں اس کی تابعداری کروں گا۔لیکن خاص عرب قوم کو صرف اکیلے قرآن کی تعلیم کی دعوت دیتے تھے ۔ قرآن اور توراۃ کی تعلیم کے بارے میں قرآن نے جو اعلان کر رکھا ہے اس کو سورۃ المائدہ کی آیات ۲۴ سے ۵۰ تک دیکھنا چاہیئے۔

۳۔ دینِ حنیفی کی دوسرے ادیان سے برتری

اس وقت مسلمانوں کے سوا زمین پر جتنی بھی جماعتیں موجود ہیں ان میں سے ایک حنیفی (یعنی یہودی اور عیسائی) ہیں جن کے پاس تورات ہے، دوسرے صابی ہیں پھر صابی مذہب والوں کے کئی اقسام ہیں : (۱) ایران کے مجوسی، جن کے پاس زردشت کی کتاب ہے (۲) ہندو۔

ہندو دھرم والوں کی پھر دو جماعتیں ہیں :(۱) برہمن، جن کے پاس وید ہیں (۲) سمنی، جن کے پاس بُدھ کی نصیحتیں اور احکام ہیں ۔ برہمنوں کی مثال ہمارے پاس یہودیوں جیسی ہے اور بُدھ دھرم والوں کی مثال عیسائیوں کی طرح ہے۔

حنیفی اور صابی مذہب والوں کے سوا تیسرے وہ لوگ ہیں جو عقل اور فکر سے سوچی ہوئی باتوں پر چلتے ہیں جن کے مراکز یونان اور روم ہیں ۔ انہوں نے جب کبھی کوئی بادشاہی قائم کرکے قوم کو اکٹھا کیا ہے او اس لئے ان کو دنیا

کے قوانین سے کسی اونچے قانون کی ضرورت پڑی ہے تو انہوں نے اہلِ کتاب کے قانون میں سے جو قانون ان کی رائے کے مناسب ہوا ہے اس کو لیا ہے اور اس کے بعد یا تو کسی (ڈکٹیٹر) بادشاہ کی طاقت سے مدد لی ہے یا آسمانی ادیان میں سے کسی دین کی طرف انہوں نے رجوع کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنی عقل سے کام لیا ہے۔

زردشت ایرانیوں کی کتاب، وید اور بدھ دھرم والوں کی کتاب یہ سب کتابیں توراۃ کے درجے کو کبھی نہیں پہنچ سکتیں ۔اس بات کو مذکورہ بالا مذاہب والے بھی مانتے ہیں ۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا جماعتوں میں سے کسی جماعت کے پاس بھی تورات جیسی کتاب نہیں ہے جس میں انبیاءسے لیا ہوا قانون جمع کیا ہوا ہو۔

۴۔ابراہیم علیسلم کو اللہ کی طرف سے امام کا خطاب کیوں ملا؟

ابراہیم علیسلم کا دین کسی زمین یا کسی قوم کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ روئے زمین کے تمام نوع انسانی کے لئے تھا۔ ابراہیم علیسلم کے بعد کوئی بھی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جس نے ابراہیم علیسلم کی طرح تمام نوع انسانی کے فائدے کے لئے کوئی عام فکر پیش کی ہو۔ یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ہیں اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ۔۱۲۴) (یعنی اے

ابراہیم علیسلم ! میں تجھ کو لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں)ۨ

۵۔ حنیفی مِلّت کی اصلی روح

ابراہیم علیسلم کے دین کی اصل روح یہ تھی کہ کسی بھی جماعت پر کسی شخص کی بادشاہی نہ ہو اور کوئی چیز بھی مخلوقات میں سے خدا نہیں بن سکتی۔ اس عقیدے کو ہی توحید کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا فکر ہے کہ جس کو ہر ایسا شخص پسند کرے گا جس کی انسانیت اور عقل سلامت ہوں گے کیونکہ کوئی بھی انسان نہیں چاہتا کہ اپنے جیسے انسان سے دھوکا کھا جاوے اور اس کا زیردست ہوکر رہے۔ بلکہ ہر انسان کسی ایسی بات کو پسند کرتا ہے جس میں مشورہ لیا جائے اور اس مشاورت میں اس کو بھی دخل ہو۔ یہ گو یا کہ انسانی فطرت ہے۔

اس کے علاوہ بڑے حکماءکے یہاں یہ بھی ثابت ہے کہ اس جسمانی دنیا کے پردے کے پیچھے ایک اور ذات بھی ہے جس کے لازمی صفات کی بنا پر یہ جہان پیدا ہوا ہے۔ وہ ذات انسانی حواس کے سمجھنے سے بالکل دور ہے۔ چنانچہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کو اپنے حواس سے معلوم کرسکے، اس کو اللہ کا درجہ نہ دے۔ کیونکہ اللہ کی ذات حواس کے دائرہ کار سے بالکل باہر ہے۔

پس جو انسان آنکھوں اور دیگر حواس سے معلوم کی ہوئی مخلوق کو اللہ کے مترادف نہیں سمجھتا وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہے۔

۶۔ یہودی اور عیسائی اگرچہ حنیفی ملت کی شاخیں ہیں لیکن انہوں نے اس کی پوری تبلیغ نہیں کی۔

پانچویں فائدہ میں بیان تھا کہ ابراہیم علیسلم کی دعوت تمام روئے زمین کے انسانوں کے لئے تھی لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دعوت آپ کی زندگی میں انسانیت کے تمام اقسام تک نہ پہنچ سکی۔ پس آپ نے دعا مانگی کہ کاش: اللہ تعالیٰ اُسے اولاد دے اور ان کے لئے ایک مرکز قائم ہو! اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد کی طرف سے آپ کے فکر (یعنی دعوت توحید) کو انسانوں کے تمام اقسام تک پہنچا یا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیسلم کی یہ دعا قبول کی اور اسمٰعیل علیسلم اور اسحٰق علیسلم دو فرزند عطا فرمائے۔ان کے لئے آپ نے دو تبلیغی مرکز قائم کئے۔ اسحٰق علیسلم کے لئے بیت المقدس کی مسجد اور اسمٰعیل علیسلم کے لئے مکہ شریف کی مسجد الحرام ۔

پھر جو بھی ابراہیم علیسلم کی اولاد سے بلند خیال والا انسان پیدا ہوا ہے اس نے کوشش کی ہے کہ ابراہیم علیسلم کے فکر کو انسانوں کے تمام اقسام تک پہنچا دے۔ اور خود قوموں کا امام (پیشوا) بنے۔ جیسا کہ موسیٰ علیسلم بھی ان بلند خیال والے انسانوں میں سے ایک بڑے پیغمبر تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کوشش کی لیکن وہ بھی کام کو پورا نہ کرسکے کیونکہ

ان کی قوم نے، جسے آپ نے ابراہیمی ملت کی اشاعت کیلئے اپنا مددگار بنایا تھا، اس کی پوری تابعداری نہ کی۔ اس لئے کام ادھورا رہ گیا۔ یعنی موسیٰ علیسلم کی یہ مرضی تھی کہ اپنی قوم کو مصر کے ملک سے نکال کر بیت المقدس میں بسائیں اور وہاں اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے ایک ادارہ قائم کریں لیکن آپ بیت المقدس تک پہنچے ہی نہیں کہ راستے میں فوت ہوگئے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں موسیٰ علیسلم جیسا اوالعزم دوسرا کوئی بھی پیدا نہیں ہوا جو ان کے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کرسکے۔

موسیٰ علیسلم کے بعد عیسیٰ علیسلم آئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ موسیٰ علیسلم کا قائم مقام بن کر ابراہیمی دعوت کو انسانوں کے تمام اقسام تک پہنچادیں ! لیکن یہود نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔

اس کے بعد عیسیٰ علیسلم نے فقط ایک “تبلیغی جماعت” تیار کی جو ابراہیمی دعوت کو تمام اقوام تک پہنچاتی رہے۔ عیسیٰ علیسلم کی تیار کردہ تبلیغی جماعت کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرقی رومی سلطنت نے، جو اسرائیلی قوم سے بالکل الگ قوم تھی عیسائی مذہب قبول کیا اور اس نے وہ کام کر دکھایا جس کی یہود کو توفیق نہ ہوئی۔

یہودیوں نے بھی ابراہیمی طریقہ پر ایک ادارہ قائم کیا لیکن وہ محض اپنی قوم کے لئے تھا دیگر انسانوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ

تھی۔ ان کا مقصد فقط یہ تھا کہ وہ خود ابراہیم علیسلم کے دین پر چلیں گے اور جو شخص بھی ابراہیم علیسلم کے دین کی دوسری اقوام میں تبلیغ کرتا اسے دشمن سمجھتے اور اس کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے تھے۔

عیسیٰ علیسلم نے پہلے یہود کو ابراہیمی ملت کی روح سمجھائی لیکن جب ان سے نااُمید ہوگئے تو اپنے حواریوں کی ایک جماعت تیار کی اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ابراہیمی ملت کی روح کو تمام اقوام میں پھیلادیں گے۔

اب ابراہیمی ملت پر چلنے والوں کے دو مذاہب قائم ہوگئے: (۱) یہودی جنہوں نے ابراہیمی دعوت کو بنی اسرائیل کے لئے مخصوص کردیا (۲) عیسائی جنہوں نے ابراہیمی دعوت کو دیگر اقوام تک بھی پہنچایا لیکن سالہا سال کے بعد انہوں نے نہ صرف یہ کہ ابراہیمی ملت کی روح کو چھوڑ دیا،بلکہ اس کی صورت کو ہی بگاڑ دیا۔

۷۔ حنیفی ملّت کی پوری تبلیغ کون کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیسلم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کی اولاد میں سے ایک نبی ﷺ پیدا ہوگا جو ان کی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائے گا ۔ ابراہیم علیسلم کو اس وعدے پر پورا بھروسہ تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ وہ نبی اسماعیل علیسلم کی اولاد میں سے پیدا ہوگا۔

اس لئے حضرت ابراہیم علیسلم نے اسماعیل علیسلم کو اللہ کے حکم سے ایسی زمین میں بسایا جہاں کوئی کھیتی نہیں ہوتی کیونکہ کھیتی کرنے والے لوگوں کو ہمیشہ اپنے سرسبز وطن پر فخر رہتا ہے اور وہ اپنے وطن والوں کو منفرد قوم سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد اگر وہ اس وطن والے کسی خاص آدمی کی اولاد ہوں گے تو وہ اپنی نسل پر بھی اترائیں گے اور دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھیں گے اور ان میں اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے سے رُک جائیں گے۔ کھیتی والے ملکوں کے باشندوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے باپ دادا کی اولاد اگر دوسرے ملک میں بستی ہے اور ان کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہوجائے تو وہ اپنے بھائیوں کے فائدے کو اپنے وطن کے مفاد پر کبھی ترجیح نہیں دیں گے ۔

اسی طرح اگر ایک جماعت کی بنیاد چند سچے اعتقادات پر قائم ہو اور اس جماعت کا ایک حصہ جدا ہوکر کسی بڑے خوشحال ملک میں آباد ہوجائے تو وہ حصہ اپنے مذہب والوں کی مصلحت کا اس وقت کبھی خیال نہیں کرے گا، جب ان کے مذہب کی مصلحت ان کے وطن کی مصلحت سے مخالف ہوگی۔ ابراہیم علیسلم کا اپنے بیٹے اسماعیل علیسلم کو ایک بیابان میں بسانے سے یہی مقصد تھا کہ اس کی اولاد میں وطن کی (فاخرانہ) محبت پیدا نہ ہو بلکہ اپنے مذہب کو ہر حالت میں مقدم رکھتے آئیں ۔

آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ جس بیٹے کا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا جو اسماعیل علیسلم کی اولاد میں سے ہوگا وہی ان کی ملت کو تمام دنیا میں پھیلانے میں کامیاب ہوگا اسی لئے اسماعیل علیسلم کو حجاز کے بیابان میں رہنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ ابراہیم علیسلم یہ بھی جانتے تھے کہ اسماعیل علیسلم کی اولاد کے سوا بہت سے لوگ اس مقصد کے لئے کوشش کریں گے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ وہ خوشحال ملکوں کے باشندے ہوں گے۔ پس ان میں کسی نہ کسی قسم کا تمدن آئے گا۔ پھر دوسرے لوگ جن کا تمدن بھی اگرچہ انہی کی طرح ہوگا لیکن وہ یہ کبھی برداشت نہ کریں گے کہ ان کے تابعدار ہوکر رہیں اور وہ ان سے برتر و بلند رہیں ۔ اسی وجہ سے موسیٰ علیسلم اپنے ہدف تک پہنچ نہ سکے۔

۸۔ عیسیٰ علیسلم کی پیشگوئی کہ حنیفی دین کی پوری تبلیغ رسول اللہ ﷺ کریں گے

عیسیٰ علیسلم نے جب دیکھا کہ یہودی، ابراہیمی ملت کو تمام اقوام میں پھیلانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتے تو وہ ان سے نااُمید ہوگئے لیکن پہلی کتابوں سے ان کو معلوم تھا کہ ابراہیم علیسلم کی اولاد میں سے جو مردِ خدا اس کے دین کو تمام اقوام میں عام کرے گا وہ اسماعیل علیسلم کی اولاد سے پیدا ہوگا۔ اس

لئے انہوں نے ایک پیغمبر کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی اور فرمایا کہ جس کام کے کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا اس کو وہ آکر پورا کرے گا۔ اور اپنے حواریوں کو بھی وصیت فرمائی کہ جب اس کا ظہور ہو تو تم اس کی تابعداری کرنا۔ لیکن عیسیٰ علیسلم نے یہودیوں کی مخالفت کے پیش نظر اس بات کو صاف اور واضح الفاظ میں بیان نہیں فرمایا بلکہ مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ موقعوں پر حسبِ ذیل طور پر ارشاد فرمایا:

۱۔ میں اپنے رب سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے کہ اب تک تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶) یعنی یہ میری قوم تمام اقوام انسانیت میں پھیل جائے۔

۲۔ میں تمہیں یتیم نہ چھوڑوں گا۔ میں تمہارے پاس آؤں گا۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۸) یعنی میری تعلیم توحید کی تکمیل ہوگی ۔

۳۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار (یعنی روح القدس اسے بھیجے گا) وہی تمہیں تمام باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۵)

۴۔ اب میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا تو کہاں جاتا ہے، بلکہ اس لئے میں نے یہ باتیں تم سے کہیں کہ تمہارا دل غم سے بھر گیا لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا

تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم انکی برداشت نہیں رکھ سکتے، لیکن جب وہ (توحید) سچائی کا روح آئے گا تو تم کو پوری سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا کہ کامیابی تمہاری ہے۔

وہ میرا جلال ظاہرکرے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کرکے تمہیں خبریں دے گا جو کچھ رب کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا رہے گا اور تمہیں خبر دے گا۔ تھوڑی دیر تم مجھے نہ دیکھو گے اور پھر تھوڑی دیر میں تم مجھے دیکھ لو گے۔ (انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۵)

عیسیٰ علیسلم کی ان تمام بشارتوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تمام بشارتیں رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے متعلق ہیں ۔ ان بشارتوں کے علاوہ انبیاءسابقین کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے آنے کے بارے میں بہت سی بشارتیں موجود ہیں ۔ یہود ان بشارتوں کو دیکھ نہیں سکتے اس لئے کہ انہوں نے ان پیشگوئیوں کی غلط معنیٰ

بیان کر کے بگاڑ دیا ہے تاکہ لوگ ان کے صحیح معنیٰ نہ سمجھ سکیں ۔ لیکن وہ اللہ کی صحیح بات کو بدل نہیں سکتے۔ جو شخص بھی توراۃ اور اناجیل کو غور و فکر سے پڑھے گا وہ حق کو سمجھ جائے گا۔ اور جو کچھ ان سرکشوں نے لکھا ہے اسے چھوڑ دے گا۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اصلی مقصد

ابراہیم علیسلم اور اسماعیل علیسلم کو جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے رسول اللہ ﷺ کے آنے کا یقین تھا اور عیسیٰ علیسلم نے بھی آپ کے آنے کی خوش خبری دی تھی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے آنے کا مقصد متعین ہوجاتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں ایک زبردست حکومت قائم کریں گے جس کا مقابلہ دوسری کوئی بھی حکومت نہیں کرسکے گی۔ اور اس حکومت میں تمام اقوام کو حنیفی ملّت پر جمع کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اس مقصد میں یقینا کامیاب ہوئے لیکن آپ کے اس مقصد کی تکمیل میں آپ کے خلفاءابوبکررضی اللہ عنہ، عمررضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی کوششوں کو بھی شریک اور شمار کیا جائے۔ ان چاروں بزرگوں نے اس مقصد کو یقیناً پورا کیا۔ ان چاروں کے بعد پھر قدم پیچھے ہٹنے شروع ہوئے۔

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا

قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کی خوش خبری ایک مثال کے ذریعے سناتا ہے وہ یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ ؕ وَ الَّذِینَ مَعَہٗ (سورۂ فتح ۲۹)

اس مثال میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی روح دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے وہ کام کیا ہے جو دوسرے کسی بھی انسان نے نہیں کیا۔ قرآن اس تمام کام کو اکیلے رسول اللہ ﷺ کا کام نہیں ٹھہراتا بلکہ آپ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ اس کام کو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا کام بھی ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ کسی کو بھی جائز نہیں ہے کہ آپ کی ذاتِ مبارک کو غیبی طاقت کا مالک مانے اور قانون کا مالک (بادشاہ) ٹھہرائے۔ اور یہ فکر تورات،انجیل اور قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔ اس فکر کے ساتھ مندرجہ ذیل باتیں بھی یاد رکھنی چاہئیں ۔

(پہلی بات) وہ حکماءاور عقلمند جنکی سمجھ پر بھروسہ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی نے بھی انسانی اجتماع کے لئے قرآن جیسا پروگرام پیش نہیں کیا۔سورہ اسراءکی آیت ۲۸کے معنیٰ یہ ہیں :

(اے رسول کہہ دو: اگر انسان اور جن اس پر جمع ہوجائیں کہ اس قرآن جیسا کوئی کتاب آئیں تو اس جیسا نہیں لاسکیں گے اگرچہ بعض ان کے مددگار بھی بن جائیں)

(دوسری بات) صابی مذہب کی جو شاخیں ایران، چین اور ہندوستان میں ہیں ان سب کا مقصد وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ اور قرآن نے پیش کیا اور ان مذاہب میں بلند مرتبہ آدمی بھی پیدا ہوئے لیکن انہوں نے بھی تمام انسانی جماعتوں کے لئے ابراہیم علیسلم کے دین جیسا مقصد پیش نہیں کیا۔ جو مذہبی کتابیں ہندوستانیوں ، ایرانیوں ، چینیوں اور یونانیوں کے پاس ہیں ان کی اللہ کے فضل سے ہم کو سمجھ ہے۔ لیکن اس (تکمیل توحید کے) مقصد کو کیسے پورا کیا جائے اس میں وہ بھی قرآن سے بہت پیچھے ہیں ۔

ان مذاہب کے بعض آدمیوں میں ایسے افکار اور خیالات موجود ہیں لیکن وہ بھی کوئی جماعت نہ بنا سکے۔ جماعت ایک آدمی سے نہیں بنتی بلکہ اس وقت وجود میں آتی ہے۔ جب بہت سارے آدمی ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں اور اس مقصد پر اتفاق کریں ۔

ہندوستان کی تاریخ میں امام ولی اللہ اور آپ کے اتباع سے پہلے کوئی بھی ایسی جماعت نہیں ملتی جس نے ایسی تحریک پیدا کی ہو جو مسلمانوں اورغیر مسلمانو ں کو اکٹھا کرسکے! شاہ صاحب کا فلسفہ جس طرح مسلمانوں میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں پر بھی اثر کرسکتا ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے فلسفے کی بنیاد ہندوؤں کے فلسفے کے موافق ہے، اس لئے ہم ولی اللہ کی امامت ہندوؤں سے بھی

منواسکتے ہیں (یعنی ہندوؤں سے بھی اس نام کی حقانیت قبول کراسکتے) ہندوستان کی قومیں مجتمع ہوگئیں تو پھر پوری دنیا کی اقوام اکٹھی ہوجائیں گی۔

(تیسری بات) رسول اللہﷺ اگرچہ عام انسانیت کے رہبر اورانکو پاک کرنے والے تھے لیکن آپ کی پہلی توجہ اور فکر اپنی قومِ قریش کو کمال تک پہنچانے کیلئے تھی کیونکہ:

١۔ عام عرب بیت اللہ شریف کی عزت کرتے تھے۔ پس بیت اللہ شریف اور ابراہیم علیسلم کی وجہ سے وہ قریش کو اپنا دینی سردار سمجھتے تھے۔ بنی اسرائیل کو عرب اگرچہ عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے علم و فضیلت کے قائل بھی تھے اور ان کو ابراہیم علیسلم کی اولاد بھی سمجھتے تھے لیکن چونکہ ان کا تعلق بیت اللہ شریف سے کچھ نہیں تھا اس لئے وہ ان کو اپنا دینی رہبر نہیں سمجھتے تھے۔

ابراہیم علیسلم اصل میں عراق عجم سے تھے تو ان کی اولاد اسمٰعیل اور اسرائیل سب عجمی النسل ہوتے ہیں ۔ اور چونکہ سارہ لفظ بمعنیٰ حمیدہ خالص سندھی ہے تو سندھ سے تعلق زیادہ قوی ہے۔ قریش اور یہود کے اخلاق سندھ میں اب تک موجود ہیں ۔

٢۔ اسماعیل علیسلم کی اولاد خالص عربوں میں رہ کر عرب بن گئی۔ اس لیے عرب قریش کو

اپنا سمجھتے تھے لیکن بنی اسرائیل کو اپنا
نہیں سمجھتے تھے۔

۳۔ قریش تجارت کرتے تھے۔ تجارت پیشہ طبقہ
انسانیت کا درمیانہ درجہ ہے۔ اس لئے ان کو
جس طرح عوام سے واسطہ پڑتا تھا اسی
طرح بادشاہوں سے بھی تعلق تھا۔ وہ
بادشاہوں اور انکے حالات کو سمجھتے تھے اور
ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تھے کہ وہ ان
سے خوش ہوجائیں اور اپنے بیوپار کو ترقی
دینے کے لئے عام لوگوں کو بھی اپنی طرف
کھینچنا جانتے تھے۔ یہ بات عام عربوں میں نہ
تھی وہ بدو اور اجڈ تھے۔

۴۔ قریش رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے
تقریباً ایک سو برس پہلے اکٹھے ہوکر مکہ
شریف میں بیت اللہ شریف کے اردگرد آکر
رہنے لگے تھے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کے دادا
قُصی نے کوشش کرکے اکٹھا کیا تھا۔ اس لئے
بھی عام عرب ان کی عزت کرتے تھے۔ ان
سوبرس سے پہلے وہ عرب کے مختلف قبائل
میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہ قبائل قریش کی
ایسی عزت کرتے تھے جس طرح آج کل پیروں
اور بزرگوں کی اولاد کی ہوتی ہے۔ پس اگر
قریش رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تبلیغ سے راہِ
راست پر آجائیں گے اور عام لوگوں کے فائدے
کے لئے کام کرنا چاہیں گے تو عوام آسانی سے
ان کی تابعداری قبول کریں گے!

۵۔ عرب کے شمال میں مختلف یہودی قبائل بستے تھے جو تجارت پیشہ تھے۔ حجاز کے اقتصادی حالات کا دارومدار اکثر انہی پر تھا۔ پس جیسا کہ قریش اور یہودی دونوں تجارت پیشہ تھے اس لئے یہودی ایک تو بیوپار کی وجہ سے دوسرا اس وجہ سے کہ دونوں قومیں ابراہیم علیسلم کی اولاد میں سے تھیں ، قریش سے دوستی اور میل ملاپ کی رسمیں جاری رکھتے تھے۔

قریش کی مذکورہ پانچ حالات رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے تھیں ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی شروع عمر میں اپنے مبعوث ہونے سے پہلے قریش کے بڑوں سے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیسلم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی اولاد میں سے ایک ایسا رسول پیدا کرے گا جو اس کی ملت کو دنیا میں شائع کرے گا تب آپ نے ابراہیمی ملت کو زندہ کرنے اور قریش کو بلندی کے درجے تک پہنچانے کا خیال کیا کیونکہ یہ کام کرنے کا آپ کی فطرت و طبیعت خواہش کرتی تھی اور اس کام کے صحیح ہونے کی شہادت ایک تو آپ کا دل دیتا تھا دوسری وہ روایت تھی جو ابراہیم علیسلم سے نقل ہوتی چلی آرہی تھی۔

نبوت حاصل ہونے کے بعد یہ کام آپ پر آسان ہوگیا کیونکہ وحی کے ذریعے سے اس کام کے صحیح ہونے کا آپ کو زیادہ یقین ہوگیا۔ نبوت سے پہلے اور بعد کے حالات میں فرق صرف یہ تھا کہ نبوت سے پہلے آپ نے نبوت کو جانتے تھے اور نہ

اس درجے کے ملنے کی آپ کو اُمید تھی۔ آپ صرف ابراہیمی ملت کے زندہ کرنے سے قریش کو بلند درجہ پر پہنچاناچاہتے تھے۔ نبوت کے بعد آپ کا پروگرام (دستور العمل) یہ تھا کہ آپ قریش اور قریش کے اردگرد بسنے والے قبائل کی اصلاح میں مصروف ہوں گے پھر جب اس کام سے فارغ ہوں گے اور آپ کی قوم میں آپ کی طاقت بڑھے گی تو دوسری اقوام بنی آدم کی درجہ بدرجہ اصلاح کریں گے تا آں کہ تمام دنیا کی اصلاح کو کمال تک پہنچائیں گے۔

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ

امام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ کی تعلیم کے موجب انبیاء علیسلم کی تعلیم اور رسول اللہ ا کی ہدایت (جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کو پاک کرنے کے لئے بھیجا ہے) کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں میں چار خصلتیں پیدا ہوں ۔

۱۔ طہارت: طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے کچھ چیزوں کو ناپاک ٹھہراتا اور اپنے بدن کو ان پلید چیزوں سے بچاتا ہے جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔ پھر چونکہ یہ بات اس کے دل میں رکھی گئی ہے اور اسی سے ایک گھڑی بھی غافل نہیں رہ سکتا اس لئے اس خصلت کو کمال تک پہنچانا اس کے لئے آسان ہے پھر وہ ہر کلام، ہر فکر اور ہر عادت، جسے وہ پیشاب اور پاخانہ کی طرح بُرا سمجھے گا، اس سے بھی اپنے آپ کو بچائے

گا! امام شاہ صاحب کے نزدیک یہ خصلت دین کا چوتھا حصہ ہے۔

۲۔ اخبات: تواضع و عجز اختیار کرنا۔ اس خصلت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جب اپنے باپ دادا یا مرشدوں ، استادوں یا نیک بخت حاکموں اور بادشاہوں میں سے کسی کی عزت کرتا ہے تو جب کسی وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوگا تو اپنے دل میں اس وقت ایک قسم کی عاجزی محسوس کرے گا، اور یہ خواہش کرے گا کہ کاش! وہ اسے کسی کام کے کرنے کا حکم دیں اور یہ اس کام کو خوشی سے پورا کرکے اپنی تابعداری کے ذریعہ ان کے نزدیک ہوجائے۔ اس آدمی کو اس بزرگ کے نزدیک ہونے میں ایک قسم کی لذت محسوس ہوگی۔ یہ انسان کی فطرت ہے، کوئی آدمی اس کو سکھائے یا نہ سکھائے لیکن یہ بات اس کے دل میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے دل کی ہدایت سے یا کسی نیک بخت کے ہدایت کرنے سے اللہ پر ایمان لائے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی خواہش اس درجہ کو پہنچے گی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کسی کو بھی شریک نہیں کرے گا، تب کہا جائے گا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے کی خصلت حاصل ہوگئی ہے۔ اس وقت اگر وہ کسی کے آگے عاجزی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا،جس

کے آگے عاجزی کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں دیکھے گا اس کے آگے عاجزی کبھی نہیں کرے گا۔ اس کا باپ بھی اگر اس کو کوئی حکم دیگا تو اس لئے اس کی تابعداری کرے گا کہ وہ سمجھے گا کہ باپ کی تابعدا ری کرنے سے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوجاؤں گا۔

۳۔ سماحت (سخاوت):اس خصلت کی حقیقت یہ ہیکہ انسان بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے، اس کا دل چاہتا ہے کہ اچھا کھانا کھائے، اچھے کپڑے پہنے اچھے مکان میں رہے، اس کی خوبصورت عورت ہو اور قوم میں عزت والا ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کو قرب حاصل ہو۔ پھر اگر کسی انسان کی طبیعت ایسی ہو جائے کہ اچھا کھانا کھائے اور عورتوں سے صحبت کرکے ان لذتوں کو یاد کرتا ہے تو یہ طبیعت اس کو دوسری ضروریات میں مشغول ہونے اور پورے کرنے سے روکتی رہے گی۔

لیکن اگر اس کی طبیعت ایسی ہوگی کہ کھانا کھانے اور عورتوں کے نزدیک ہونے کے مزے حاصل کرنے کے بعد جب فارغ ہوتو اس کو بھلادے اوراس کی طرف کوئی خیال نہ کرے تو یہ انسان اپنے دوسرے کام بھی پورے کرسکے گا۔ اور اپنے اخلاق کو بھی کمال تک پہنچا سکے گا۔ یہ شخص اگر کتاب اٹھاکر پڑھے گا یا مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ اپنے دماغ کو دنیا کے تمام افکار سے پاک کرکے پھر یہ کام کرے گا۔

اس شخص کی طبیعت کی مثال پانی کی طرح ہوگی۔ پانی میں اگر انگلی داخل کرو تو اس میں انگلی چلی جاتی ہے اور جب باہر نکالو تو پانی میں کسی قسم کا بھی سوراخ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح یہ انسان جب نفسانی کام کرے گا تو اس کو اچھی طرح سے کرے گا اور جب اس سے فارغ ہوگا تو اسکو بھلادے گا۔ اسی عادت کو ہم سخاوت کہتے ہیں ۔

۴۔ عدالت۔ اس خصلت کی انسانی جماعت کو کس قدر ضرورت ہے یہ بات ہر ایک جانتا ہے ۔ کوئی بھی اجتماع عدالت کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ پس عدالت یا تو انسانیت کے برابر ہے یا ایک دوسرے کولازم و ملزوم ہیں ۔ جس انسان، گھر، قبیلہ یا قوم میں انصاف نہ ہوگا اس میں کسی قسم کی بھی انسانیت نہ ہوگی۔

حضرت امام شاہ صاحب ان چار خصلتوں کو تما م احکام کا اصل اور جو ان چار خصلتوں کے مخالف خصلتیں ہیں انہیں ان بُرے کاموں میں شمار کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔

ان چار خصلتوں کے علاوہ ایک اور چیز ہے جسے امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ شعائر اللہ (یعنی اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں) کہتے ہیں ۔ حضرت امام ولی اللہ صاحب شعائر اللہ کی عزت کرنے کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی عزت کے برابر رکھتے ہیں ۔پس جس الٰہی دین کو

رسول اللہ ﷺ لائے ہیں اس کا خلاصہ امام شاہ صاحب کے پاس یہ ہے کہ انسان اپنے اندر مذکورہ بالاچار خصلتوں کے مخالف خصلتوں کو چھوڑنے کی کوشش کرے اور شعائر اللہ کی عزت کرے۔

۱۲۔ شعائر اللہ کی حقیقت

شعائر اللہ کی عزت کیسے کی جائے؟ اس کے لئے خدا شناس عارف اور حکماءاس بات پر متفق ہیں کہ اس جہان کے پیدا کرنے والے اور اس میں تغیرات کرنے والے کی حقیقت تک انسانوں کی سمجھ پہنچ نہیں سکتی۔ کچھ خاص طریقے ہیں جن سے لوگ اللہ کے وجود کو سمجھ سکتے ہیں ۔

ایک طریقہ جسے تمام انبیاء علیمسلم پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جیسے سورج کی تجلی (عکس) آئینے پر پڑتی ہے اور سورج آئینے کے اندر دیکھنے میں آتا ہے پس اگر وہ آئینہ بھی سورج کے عکس جتنا ہوگا (نہ اُس سے بڑا اور نہ چھوٹا) تو لوگ حقیقی سورج میں اور سورج کے اس عکس میں اپنی گزشتہ معلومات ملانے کے بغیر فرق معلوم نہیں کرسکیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تجلی اس کی مخلوق میں سے بعض چیزوں پر پڑتی ہے اور وہ چیزیں منفرد نظر آتی ہیں پس اگر انسان ان چیزوں کی طرف دیکھنے کے وقت یہ سمجھے گا کہ میں اللہ کو دیکھ رہاہوں اور ان چیزوں کی طرف کچھ بھی خیال نہ کرے گا تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اللہ کی

تجلی کو دیکھا اور وہ تجلی اس کو اس لئے دکھائی گئی ہے کہ اس کو اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت معلوم ہوجائے۔ انسان کو جب بھی سمجھ میں آجائے کہ یہ اللہ کی تجلی ہے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس تجلی کے آگے اپنی انتہائی طاقت سے جھکے اور اس کی تعظیم کرے۔ اس تجلی کی عزت اللہ تعالیٰ کی عزت کے قائم مقام ہوگی۔ کیونکہ جن چیزوں پر وہ تجلی پڑی انکی طرف کوئی بھی خیال نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کو اس تجلی کے دیکھنے کے وقت اس شیشہ جیسا سمجھا گیا ہے جس پر صورت کا عکس پڑتا ہے یا ان چیزوں کوعینک کی طرح سمجھاگیا ہے جس سے انسان دور کی چیز کو دیکھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی عرشِ عظیم پر پڑتی ہے۔ اس تجلی کو رحمٰن کہا جاتا ہے۔ یہ وہ آخری تجلی ہے جس تک انسان کی سمجھ خود کو پہنچانے میں ترقی کرکے پہنچتی ہے اس کے بعد جو تجلی عرش عظیم پر پڑتی ہے اس سے نیچے اس تجلی کی پھرکتنی ہی تجلیا ں آسمان اور زمین میں ہیں ۔

اگر انسان ان چیزوں کو دیکھتے وقت یہ سمجھے کہ میں اللہ کی تجلی کو دیکھ رہا ہوں اور ان چیزوں کی طرف بھی خیال کرے تو اس وقت ان چیزوں کو شعائر اللہ کہا جائے گا۔

شعائر اللہ کی تعظیم ایمان کے اجزاءمیں سے ایک بڑا جزو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں

ایک ایسی طاقت رکھی ہے جس کی وجہ سے اس کو بلاواسطہ اللہ کے معلوم کرنے میں مزہ آتا ہے اور انسان اپنے تمام مقاصد میں سے اس مقصد کو بڑا مقصد کہتا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم بلاواسطہ اللہ تک پہنچاتی ہے۔ پس جس کے دل میں شعائر اللہ کی تعظیم ہوگی اس کے دل میں ایمان کے تمام اجزاءمیں سے بڑا جزءموجود ہوگا۔

مذکورہ بالاچار خصلتوں کو حاصل کرنے اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنے سے انسان ان ملائکہ جیسا ہوجاتا ہے جو اللہ کی تجلی کے آگے حاضر رہتے ہیں ۔

امام ولی اللہ ان چار خصلتوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کو دو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

(۱) التطلع الی الجبروت (یعنی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی طرف دیکھنا جن کا تعلق اس جہان کے نظام سے ہے۔)

۲۔ التشبہ بالملکوت (یعنی ان ملائکہ جیسا ہونا جو اللہ تعالیٰ کی تجلی کے آگے رہتے ہیں ۔)

امام ولی اللہ دہلوی کے نزدیک التطلع الی الجبروت اور التشبہ بالملکوت دونوں وصفوں کا اپنے میں پیدا کرنا انسان کا انتہائی کمال ہے۔ انسان کی پیدائش میں اس کی فطرت کے موافق جو مخفی لطائف اور پاک طاقتیں رکھی ہوئی ہیں ان کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں اپنے میں پیدا کرنا اس غرض سے لازم ہے۔

۱۳۔ عدالت کی وضاحت

یہاں کچھ باتیں جاننا ضروری ہیں اس کے بعد عدالت کی حقیقت اور ضرورت وضاحت سے سمجھ میں آجائیں گی۔

پہلی بات انسان کی حقیقت کیا ہے؟

حکماءکی ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان حیوانِ ناطق ہے۔ یعنی وہ بڑھنے والے حس رکھنے والا اور ارادے سے حرکت کرنے اور فکر کرنے والا جسم ہے۔ فکر کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اپنے افکار کو ترتیب دے سکتا ہے، انکے بہت سے اقسام بناسکتا ہے اور ان کو اپنے فصیح کلام سے دوسروں کے آگے ظاہر بھی کرسکتا ہے۔

انسان کی اس تعریف کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ انسان میں التطلع الی الجبروت اور التشبہ الی الملکوت کی دو طاقتیں رکھی ہوئی ہیں ۔ اس لئے انسان کو یہ دونوں صفتیں اپنے میں پیدا کرنی چاہئیں ۔

۱۔ وہ تمام حیوانات کی طرح اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے ایسی چیزوں کا محتاج ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ ان چیزوں کے پیدا کرنے میں نہ تو انسان کی طاقت کام کرسکتی ہے نہ اس کی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ مثلاً: انسان پانی پیتا ہے پھل کھاتا ہے پانی اور پھل کو اللہ کی قدرت کے سوا دوسرے کسی نے پیدا نہیں کیا۔

۲۔ دوسری بات انسان میں یہ رکھی گئی ہے کہ وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے لیکن اس تک نہ اس کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں نہ اس کی طبعی طاقت اس کو حاصل کرسکتی ہے پس وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کسی دوسری چیز کو اس چیز کے حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے مثلاً وہ درخت کی چوٹی پر پھل دیکھتا ہے جس تک اس کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے ۔ پس وہ پھل کو حاصل کرنے کے لئے پتھر مارتا ہے تاکہ پھل ٹوٹ کر نیچے گر پڑے یا درخت کی کسی ٹہنی کے ذریعہ اس کو نیچے اُتار لیتا ہے، یہ ہے آلات کا استعمال۔ اس طرح جوں جوں اس کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں آلات کے استعمال کا شوق بھی بڑھتا جاتا ہے ۔ آلات کو حاصل کرنے اور تیار کرنے کے لئے انسان کوشش کرتا رہتا ہے کسی اوزار کے تیار کرنے میں اس کو تھوڑا وقت لگتا ہے اور کسی کی تیاری میں زیادہ تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں ۔ اس لحاظ سے مالدار اس کو سمجھنا چاہئے جس کے پاس اوزار بہت ہوں اور غریب اس کو جس کے پاس اوزار نہ ہوں ۔ غریب لوگ مالدار لوگوں کے اس لئے تابع ہوتے ہیں کہ مالداروں کے پاس اوزار ہوتے ہیں اور غریب لوگ اپنی طبعی طاقت سے وہ کام نہیں کرسکتے جو اوزاروں کے ذریعہ تھوڑے وقت اور کم طاقت سے ہوسکتے ہیں ۔ اس لئے وہ مالداروں کے

پاس جاتے ہیں تاکہ ان کی طرف سے ان کی طبعی طاقت ہو اور مالداروں کی طرف سے اوزار، دونوں کو ملاکر کوئی کام کریں اور فائدے میں شریک ہوں ۔ پھر اگر مالدار آدمی طاقتور بھی ہے تو وہ ترقی کرکے بادشاہ بن جائے گا۔ اور اگر اس کی طاقت دوسروں کی طاقت کے برابر ہے تو اس کو جماعت کا بڑا بنائیں گے۔

انسان اگر چہ بہت سے حیوانوں سے ضعیف ہے لیکن اس پر اللہ کی یہ مہربانی ہے کہ اس کو عقل دی ہے۔ عقل حیوانی طاقت ہے جس پر اس کا ملکی فکر اثر کرتا ہے۔ پس عقل سے انسان اوزار بناتا ہے اور اوزاروں کے واسطے سے وہ اپنی ضعیف طاقت سے تھوڑے وقت میں وہ کام لے سکتا ہے جن سے بڑے سے بڑے جانور بھی عاجز ہیں ۔ اس کی عقل تمام حیوانی طاقتوں کی امام ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی اوزاروں (آلات) کے استعمال کو اور ان کے واسطے سے تھوڑی طاقت سے چیزوں کے حاصل کرنے کو ارتفاق کہتے ہیں ۔

پھر ارتفاق کی کئی قسمیں ہیں :

۱۔ وہ ارتفاق جس سے کوئی بھی انسان خواہ کہیں ہو، پھوٹ نہیں سکتا۔

۲۔ آداب المعاش (زندگی گذارنے کے طریقے)

۳۔ تدبیر المنزل (گھریلو زندگی کے طریقے)

۴۔ فن المعاملات (لوگوں کے آپس میں معاملات کے طریقے)

۵۔ سیاستِ المدنیہ (شہری نظم و نسق اور زندگی کے طریقے)

۶۔ سیاست (یعنی شہروں کو ملا کر ان کو کس طرح چلایا جائے)

پھر شہروں کو ملاکر چلانے کے کئی اقسام ہیں ۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کو امام ولی اللہ الدہلوی قدس اللہ سرہٗ خلافت کہتے ہیں ۔ جب تک ایسی زبردست خلافت جس کا مخالف جماعتیں مخالفت کرنے کے باوجود مقابلہ نہ کرسکیں اور جب تک وہ قائم نہ ہوجائے کسی آدمی کے لئے بھی سستی کرکے بیٹھ رہنا جائز نہیں ۔ یہ بات اُس وقت ممکن ہوسکتی ہے۔ جب وہ اوزاروں کے استعمال میں درجۂ کمال کو پہنچ جائے۔

۱۴۔ رسول اللہ کی کوئی بھی تعلیم انسانی فطری صفات کے خلاف نہیں

امام ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ مذکورہ بالا ارتفاقات کو انسانی فطرت سے باہر کی چیز نہیں کہتے جو انسان کے ساتھ چمٹا دی گئی ہو۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ انسانی فطرت ان تمام ارتفاقات کی خواہش کرتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی انسان شہروں سے دور کسی جنگل یا بیابان میں پیدا ہو اور کسی سے بھی کوئی رسم

و رواج نہ سیکھے تب بھی اس کو بھوک پیاس لگے گی، عورت کی خواہش ہوگی اور شادی کرنے کے بعد اس کے بال بچے پیدا ہوں گے جس کے بعد بہت سے گھر بن جائیں گے اور ان میں خرید و فروخت اور ان کے لین دین ہوں گے۔ اس طرح پہلا ارتفاق ترتیب وار موجود ہوجائے گا۔ پھر جب آبادی بڑھ گئی تو ضرور ان میں بلند اخلاق آدمی پیدا ہوں گے اور ان کے سامنے ایسے معاملات پیش آئیں گے جن کی وجہ سے سب ارتفاقات موجود ہوجائیں گے۔ اس لئے کسی قوم میں انصاف کی بادشاہی کا پیدا ہونا اور بہت سی قوموں میں انصاف کی خلافت (یعنی بین الاقوامی حکومت) کا پیدا ہونا انسانی نوع کی خواہش کے مطابق ہے۔

اب سمجھنا چاہئے کہ انسان میں (۱) التطلع الی جبروت (۲) التشبہ بالملکوت (۳) ارتفاقات کو کمال تک پہنچانے کی تمام صفات ہیں اور رسول اللہ ا لوگوں کو تطلع الی الجبروت کا سبق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے، شعائر اللہ کی تعظیم کرنے اور التشبہ بالملکوت کا سبق آپس میں ایسے بلند اخلاق کے پیدا کرنے سے سکھاتے ہیں جن کا فائدہ خاص انہی کو نہیں پہنچتا بلکہ عام انسانی نوع کو پہنچتا ہے اور اس کے بعد ان کی ذات کو بھی پہنچے گا کیونکہ وہ بھی تو انسانی نوع کے افراد میں سے ہیں ۔ اور رسول اللہ ارتفاقات کی تعلیم بھی دیتے ہیں (یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں پیدا کی ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کم سے کم وقت اور تھوڑی طاقت

خرچ کرکے کیسے حاصل کئے جائیں ، اس طرح کے ملائکہ ان کے کام کو دیکھ کر تعجب کریں) یہ تینوں باتیں تفصیل سے کسی بھی شریعت میں بیان نہیں کی گئیں ۔

۱۵ ۔انسان کی تشریح اور اس کے مختلف مقامات میں مختلف مرتبے اور اس کے اچھے اعمال کا بیان

ترتیب وار رکھی ہوئی چیزوں میں جب کوئی چیز اثر کرے گی تو اس چیز کا اثر، ترتیب وار تمام چیزوں میں ان کی استعداد اور لیاقت کے موافق ظاہر ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے مختلف رنگدار شیشوں کو ترتیب وار رکھا جائے اور پھر ایک شیشے کے سامنے موم جلائی جائے۔ اس موم کی روشنی تمام شیشوں میں ان کے رنگوں کے موافق ظاہر ہوگی۔ ظاہر میں تمام شیشوں میں جدا جدا روشنی نظر آئے گی لیکن ہر عقلمند ایسا ہی کہے گا کہ جو روشنی پہلے شیشے میں ظاہر ہوئی وہ ہی تمام شیشوں میں نظر آتی ہے۔

اس بات کے سمجھنے کے بعد انسان کی حقیقت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ انسان چار چیزوں سے بنا ہوا ہے: (۱) بدن (۲) ہوائی روح (۳) نفسِ ناطقہ (۴) ملکوتی روح (یعنی الٰہی روح۔ ملکوتی روح اور الٰہی روح ایک ہی چیز کے نام ہیں) حظیرة القدس میں انسانی نوع کا امام ہے جس کو النوع یا انسان کبیرِ یعنی بڑا

انسان کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو نوع انسانی کے امام کے بے شمار عکس ظاہر ہوئے جس طرح آئینے میں ہمارے عکس ظاہر ہوتے ہیں ۔ ان عکسوں میں ان تمام صفات کے عکس بھی آگئے جو اس بڑے انسان میں ہیں ۔ ان میں حظیرۃ القدس کے ملائکہ کی روحانی طاقت اور نیچے طبقے والے ملائکہ کی روحانی طاقت کے عکس بھی آگئے اور جو ستارے اس دنیا کی چیزوں پر اپنا اثر پیدا کرتے ہیں ان کی طاقت کے عکس بھی آگئے۔ اسی طرح بڑے انسان کے دل پر جو اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے اس کا عکس بھی ان عکسوں میں آگیا۔ ان عکسوں کو ملکوتی روح کہا جاتا ہے۔ یہ ملکوتی روحیں ہر انسان کی جدا جدا ہیں ۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد ملکوتی روحوں کے عکس عالم مثال کے تختے پر آئے۔ دونوں عکسوں میں اتنا ہی فرق ہے جیسے چھوٹی تصویر کو بڑا اور بڑی تصویر کو چھوٹا کیا جائے۔ باقی کوئی چیز جو ان میں بڑھائی یا کم کی گئی ہو وہ دیکھنے میں نہیں آئے گی۔ دونوں عکس ایک جیسے نظر آئیں گے۔ ان کا آپس میں ایسا ہی تعلق ہے جیسے روح اور جسم کا۔ یہ عالم مثال کا عکس ملکی روح کا جسم ہوگا اور ملکی روح اس کی روح ہوگی۔ اس کے بعد جب ماں کے رحم میں منی اور حیض کا خون اکٹھا ہوتا ہے اور ماں کا نفس اس کی تدبیر کرتا ہے تب اس میں دل اور دماغ اور جگر ظاہر ہوتے ہیں پھر بچے میں

بدن کے واسطے سے ایک قسم کی لطیف ہوا تیار ہوتی ہے۔ یہ لطیف ہوا بدن کے لطیف اخلاط سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ انسان میں جو سننے، دیکھنے اور دوسرے کاموں کی طاقتیں ہیں وہ اسی لطیف ہوا کی طاقتیں ہیں ۔ اس لطیف ہوا کے ساتھ وہ عالمِ مثال میں پیدا شدہ نورانی روح چمٹ جاتی ہے جیسے سورج کی صورت آئینے کے ساتھ چمٹ جاتی ہے۔ اب وہ نورانی روح لطیف ہوا میں اثر کرے گی اور وہ لطیف ہوا اس نورانی روح میں اثر کرے گی۔ اس وقت اس نورانی روح کو نفسِ ناطقہ (عینی فکر کرنے والا نفس) کہا جاتا ہے اور اس لطیف ہوا کو اس نورانی روح کا جسم اور اس نورانی روح کو اس کی روح سمجھنا چاہئے۔ یہ دونوں کبھی بھی نہ اس دنیا میں اور نہ ہی جنت اور جہنم میں ایک دوسرے سے جدا ہوں گی۔ اس کے بعد یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ یہ لطیف ہوا جو انسان کے دل میں لطیف خلطوں سے پیدا ہوتی ہے اس کی طاقتیں جب کام کرتی ہیں تب کم ہوتی رہتی ہیں پھر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بدن لطیف ہوا کو تیار کرتا رہتا ہے۔ اس وقت اس لطیف ہوا کو نسمہ یا ہوائی روح یا برقی روح کہا جاتا ہے۔ انسان کے بدن کو لطیف ہوا کا جسم اور لطیف ہوا کو اس کی روح سمجھنا چاہئے۔ انسان کی یہ ہوائی روح جو انسانی صورت میں باقی حیوانات سے جدا ہوئی ہے وہ نفسِ ناطقہ کے سبب ہوئی ہے ورنہ ہوائی روح

تمام حیوانات میں ایک جیسی ہے۔ اس کے بعد جب انسان کا بدن لطیف ہوا کے پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہوگا تو وہ عاجزی ان کی موت ہے۔ بدن کے بیکار ہونے سے بعضے اس کو قبر میں دفن کرتے ہیں اور بعضے جلا دیتے ہیں ۔ اس وقت باقی بچی ہوئی لطیف ہوا اور نورانی روح انسان کے بدن سے جدا ہوتی ہے پھر نورانی روح اس کو اس کی لیاقت کے موافق روشن جسم یا تاریک جسم عالم مثال سے دلاتا ہے اور وہ جسم لطیف ہوا کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کی اس کے مرنے کے بعد حفاظت کی جاتی ہے۔ عالم مثال کا یہ بدن قیامت کے قائم ہونے تک قائم رہے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو یا تو دنیاوی جسم دے گا یا ایسا جسم دے گا جو دنیاوی جسم سے بھی مناسبت رکھے گا اور عالمِ مثال والے جسم سے بھی۔

انسان کی حقیقت سمجھنے کے بعد دو باتیں سمجھنا چاہئیں : (۱) ایک یہ کہ دنیا میں انسان مذکورہ بالااجزاءکے مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد دنیا والے بدن کے علاوہ باقی تین اجزاءکے مجموعے کو انسان کہا جائے گا۔ اس کے بعد انسان ترقی کرکے جب اس درجے کو پہنچے گا جہاں انسان کی ہوائی روح پہنچ نہیں سکتی بلکہ فقط اس کا نفسِ ناطقہ پہنچ سکے گا تو وہاں انسان ملکوتی روح اور نفسِ ناطقہ کو کہا جائے گا۔ اسی طرح جب انسان ترقی کرکے وہاں پہنچے گا جہاں اس کا نفس

ناطقہ بھی نہیں پہنچ سکتا تو وہاں انسان فقط ملکوتی روح کو کہا جائے گا اور ملکی روح اور روحِ الٰہی ایک ہی چیز ہے۔ تو یہ ذات پاک وہاں پہنچی جہاں کا خمیر تھا۔ یہ ہے مطلب اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ انسان کے یہ چار اجزاءترتیب وار ہیں چنانچہ جو چیز ملکوتی روح میں ظاہر ہوگی وہ نفس ناطقہ میں بھی اس کے مزاج کے موافق ظاہر ہوگی اور جو چیز نفس ناطقہ میں ظاہر ہوگی وہ ہوائی روح میں بھی اس کے مزاج کے موافق ظاہر ہوگی۔ اور جو چیز ہوائی روح میں ظاہر ہوگی وہ بدن میں بھی اس کی قابلیت کے موافق ظاہر ہوگی۔ پس انسان کے ہر ایک جز میں سے اگرچہ ظاہر میں جدا جدا صورت نظر آئے گی لیکن حکیم کی نظر میں وہ ایک ہی چیز ہے۔ پس سمجھنا چاہئے کہ تجلی جو انسانی نوع کے امام پر پڑتی ہے وہ ملکوتی روح پر چمکتی ہوئی اور ترتیب وار نیچے اترتی ہوئی بدن تک پہنچتی ہے۔ بدن پر عمل کرنے کے بعد پھر جیسے نیچے اتری تھی ایسے ہی چڑھتی ہوئی ملکوتی روح تک پہنچے گی۔ یہ انسانی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ پس تمام ارتفاقات سے بہتر ارتفاق وہ ہے کہ انسان جب کوئی کام بدن سے کرے تو اس کام کا اثر ملکوتی روح تک پہنچے۔ اور سب سے بُرا ارتفاق وہ ہے کہ انسان جب کوئی کام بدن سے کرے تو اس کام کی روح کو اس کی

ہوائی روح بھی قبول نہ کرے۔ جیسے زنا اور چوری جس پر انسان کو آخر پشیمان ہونا اور پچھتاوا کرنا پڑتا ہے۔ جو جہنم کی زندگی ہے۔ اس سے اچھا کام وہ ہے جس کی روح کو انسان کی ہوائی روح قبول کرے لیکن اس کو نفسِ ناطقہ اور الٰہی روح قبول نہ کرے جیسے بڑھئی کے پیشے اور دوسرے ہنر کے لوگوں کو ان ہنروں کی اپنی زندگی کے لئے ضرورت بھی ہے لیکن گر ان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے انہیں کیا جاتا اور جیسے وہ کام جن سے انسان کا تعلق عالم مثال میں فقط جنوں سے ہوتا ہے اور ملائکہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔

اس سے بھی زیادہ اچھا کام وہ ہے جس کو انسان کا نفسِ ناطقہ بھی قبول کرے لیکن اس کی الٰہی روح قبول نہ کرے۔ یہ عقلی بات ہے ورنہ اس کی ظاہر میں کوئی بھی مثال موجود نہیں ۔

سب سے بہتر کام وہ ہے جسے انسان کی ملکوتی روح بھی قبول کرے کیونکہ وہ عمل ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا اور اس سے اسے انتہائی خوشی حاصل ہوگی اور اس سے زیادہ خوشی پہنچنے کا امکان ہی نہیں ۔ جب انسان میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے فائدہ حاصل کرنے کے وقت مذکورہ چار اخلاق ہوں گے اور انسان کا نفسِ ناطقہ شعائر اللہ کی عزت کرنے سے اللہ کی طرف دیکھنے والا ہوگا تب اس کی انانیت بھی کمال کو پہنچے گی اور

اس کے کاموں کی روح بھی اس کی الٰہی روح تک پہنچے گی۔

۱۶۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ:

پندرھویں فائدہ میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کے سمجھنے کے بعد یہ جانناچاہئے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کو راستہ دکھانے والے اور ان کو پاک کرنے والے ہیں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ارتفاقاتِ صالحہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے اوزاروں کے ذریعہ تھوڑے وقت میں کم طاقت خرچ کرنے سے بہت سافائدہ حاصل کرنے کا ایسا طریقہ سکھاتے ہیں جس سے ان کاموں کی روح ملکوتی روح تک پہنچتی ہے۔ اور مذکورہ بالا چار اخلاق بھی ان میں پیدا کرتے ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم کرانے سے اللہ تعالیٰ کی تجلی کی طرف توجہ کرنا بھی سکھاتے ہیں پھر جب آپ کی قوم ہدایت پر آجائے گی اور پاک ہو جائے گی تو آپ ان کو حکم کریں گے کہ دنیا کی اقوام کوبھی اس تعلیم اور تہذیب پر اکٹھا کریں جس پر وہ خود ہیں لیکن اس تعلیم و تہذیب کا ان کو ایسا آسان طریقہ سکھائیں گے کہ وہ آسانی سے سکھا سکیں اور اس کام کو رسول اللہ ﷺ کا کام سمجھا جائے گا یہ معنیٰ ہیں خلافت قائم کرنے کے۔

اس معنیٰ سے رسول اللہ ﷺ ، اور ان کے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے

یہ کام اللہ تعالیٰ نے پورا کیا اور ان دونوں خلفاءکے کام کو بھی رسول اللہ ﷺ کا کام سمجھا گیا۔ پس اس معنی سے رسول اللہ ﷺ نے ارضِ مقدسہ (پاک زمین) کو جس کا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیسلم سے وعدہ کیا تھا ابراہیمی ملت کی روشنی سے روشن کیا اور مکہ معظمہ، بیت المقدس اور مدینہ منورہ کی مسجدوں کو اس تعلیم کا مرکز بنایا۔ اور قیصر و کسریٰ کی دو بڑی حکومتوں کو برباد کرکے ان کی رعایا کو دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ وہ راستے یہ ہیں کہ یا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرکے اسلامی اجتماع میں داخل ہوجائیں یا ذمی بن کر اسلامی اجتماع کو خراج تحسین دے کر ان کے حکم کے فرمان بردار رہیں اور اسلامی دین کی جو خاص نشانیاں (شعائر اللہ) ہیں ان کی بے حرمتی نہ کریں ۔

رسول اللہ ﷺ کے سوا جن لوگوں نے آج تک خلافتیں قائم کی ہیں ان سب سے کامل خلافت وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کی اور اس کا پروگرام اللہ تعالیٰ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے پورا کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو انسانی نوع کے لئے ایک مقدس مثال بنایا ہے کہ ان کی ہمت سے ایک ایسی خلافت قائم ہوگئی جس کو پانچ سو برس تک آپ کی قومِ قریش نے چلایا اور دوسرے پانچ سو برس دوسری اقوام نے چلایا جنہوں نے آپ کے دین کو

سچے دل سے قبول کیا۔ سورہ جمعہ میں آیت ۲ سے ۴ تک اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ ان آیات سے آخرین کے لفظ سے مطلب فارس، روم، ہندوستان اور ترک ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے حکومتیں قائم کیں ۔ اس کے بعد جب کبھی انسانی نوع کا نظام ارتفاقات میں ترقی کرنے سے بدلتا رہے گا تو حکومتوں کی صورت بھی انسانی اجتماع کے موافق ضرور بدلتی رہے گی۔

ہزار سال کے بعد جب لوگوں کا نظام ارتفاقات میں ترقی کرنے سے بدلا تو مسلمانوں کے رہنما اپنے پرانے طریقے کو بدل نہ سکے۔ اس لئے ان کی شان و شوکت فنا ہوگئی ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب ہمیں امام ولی اللہ دہلوی کے طریقے پر چلنے سے دین کی سمجھ پیدا ہوئی تب ہم نے سمجھا کہ ہزار سال کے بعد جو مسلمانوں کی شان و شوکت فنا ہوئی اس میں قصور ہمارا ہی تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیم میں کوئی قصور نہ تھا۔)تفسیر المقام المحمود ص ۱۶۱ سے ۱۸۳(

★

حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظمہ میں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حزب، مکہ معظمہ میں پیدا ہوا، وہاں وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند آدمیوں سے زیادہ اس کے ماننے والے نہ تھے بایں ہمہ ایک دنیا ان کے نام سے

کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اس حزب کو فنا کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ وہ حضرت ابراہیم کی متابعت میں حنیفی دین کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اور کسی مخالف قوت کو نہیں مانتا تھا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ تھی۔ یہ حزب مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اپنا نظام مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے فی الحال طرح دیتا جاتا تھا۔ جس نے مخالفت کی یا ضد، اس سے ہٹ گئے یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان کے نزدیک لڑنا جائز نہ تھا۔ بارہا ایسے مواقع آئے کہ لوگوں نے خواہش کی کہ لڑنے کی اجازت مل جائے۔ مگر قرآن نے اس وقت یہی حکم دیا کہ " كُفُّوا اَيدِيَكُمْ " (۴:۷۷) (اپنے ہاتھ روک کر رکھو) اس سے بھی واضح سند یہ ہے کہ سورۃ کافرون مکی سورت ہے اور وہ تمام دنیا کے مخالفین کے لئے الٹی میٹم ہے کہ، "تم سے صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ جو لوگ دین کے اندر، "سیاست کیسے ترقی کرتی ہے" کے سیاسی اصول پر مطالعہ نہیں کرتے بلکہ سب چیزوں کو اخلاقی نقطہ نگاہ سے حل کرنا چاہتے ہیں وہ محمد رسول ﷺ کی زندگی اور قرآن حکیم کی تعلیم کو منظّم طور پر کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے۔

حزب اللہ مدینہ منورہ میں

حزب اللہ جس کی بنیاد مکہ معظمہ میں

رکھی گئی تھی اب اپنا مرکز بدل کر مدینہ منورہ میں جمع ہوتا ہے۔ وہ یہاں نسبتاً آزاد ہے۔ یہاں کمزور طاقتوں نے حزب اللہ کے خلاف سازشیں شروع کردیں ۔ سورة مجادلہ میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ان مخالفین کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر ان کا سدباب نہ کیا گیا تو یہ اس نئی سوسائٹی کو کھا جائیں گے۔ اس پر مسلمان سنبھلے اور منافقین ڈر گئے۔

منافقین سے مقابلہ

منافقین جس طاقت کے بل بوتے پر باتیں بناتے تھے وہ یہود کی طاقت تھی جن کے قریے پاس ہی تھے۔ ادھر حجاز کی تمام سرمایہ داری یہود کے قبضہ میں تھی۔ اور جاہلیت میں قریش بھی تاجر ہونے کی حیثیت میں سرمایہ داری سے کسی قدر اُنس پیدا کرچکے تھے۔ اس لئے یہود اور قریش ہم پیشگی کی وجہ سے آپس میں ملتے رہتے تھے۔ اب ان لوگوں نے ادھر تو مدینہ میں مسلمانوں کے گھروں میں فساد ڈلوانے کے لئے خفیہ سازشیں شروع کردیں اور ادھر کسریٰ اور قیصر تک اپنے پیام پہنچانے شروع کردیئے۔ اب اس سیاسی پارٹی کا جو اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہو ایسی حالت میں صبر سے بیٹھے رہنا جائز نہ تھا۔ اگر مخالفین حملہ نہیں کرتے تو یہ سیاسی حزب حملہ کرے گا۔ یہ ہے وہ حملہ جسے لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر:۲) کہا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ پہلا اقدامی

حملہ تھا۔ اس سے پہلے جتنی جنگیں تھیں وہ سب مدافعانہ تھیں ۔ بعض لوگوں نے صرف ان مدافعانہ جنگوں سے قاعدہ بنالیا کہ حزب اللہ کا کام صرف مدافعانہ جنگ کرنا ہے۔ یہ لوگ ان اقدامی جنگوں کو بھی دیکھیں جو پیغمبر ﷺ اور آپ کے خلفاءنے کیں (غزوہ بنی نضیر اس قسم کی اقدامی جنگوں کی پہلی مثال ہے)۔

کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے؟

مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں ۔ ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کردیتے ہیں اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کردیتے ہیں جن کا تحقق ناممکن ہے، اسی طرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں ۔ اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا۔

برصغیر میں انگریزی غلبہ کے بعد مسلمانوں میں دو تحرکیں چلائی گئیں ۔

بعض نے قرآنی حکمت کو سمجھتے ہوئے اس خیال کی تائید کی کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں ۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اسلام نے کبھی حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مدافعت ہی کی ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا

ہے۔

قــــرآن حکیم کی آیت "ھُــوَ الَّذِیْ ٓ اَرْسَــلَ رَسُــوْلَہٗ بِالْہُــدٰی وَ دِیْنِ الْحَــقِّ لِیُظْہِــرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" (التوبہ۔۳۳) سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کی صــورت میں انقلابی ذہنیت والے اســتاد ہر طبقے میں موجود رہے۔ مثلاً حضرت مولانا محمد قاســم نانوتوی اور شیخ الہند مولانا محمــود حســن میں "قــرآن اور آنحضــرت ﷺ کی ســیرت کــا انقلابی تخیل" پایا گیا۔

اسلام اور جنگ:

الغــــرض انقلابی جمــــاعت دیکھے گی کہ وہ مخالفوں کــا مقــابلہ کرســکتی ہے تــو وہ اقــدامی حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کــرے گی۔ اس مســئلے کویوں حل کیا گیا کہ حملہ کرنے میں پیش قــدمی کرنا یا مدافعت پر اکتفا کرنا یہ دوسرے درجے کی چیز ہے۔ اس کا فیصــلہ کرنــا قائــد لشــکر کــا کــام ہے۔ یہ اصولی بحث نہیں ہے۔ کمانــڈر اپــنی فــوج کی حــالت کے مطــابق مــدافعت ہی کــو کــافی سمجھے گا تو فقط مدافعت ہی کرے گــا، اور اگــر حملہ کرنا ضــروری خیــال کــرے گــا تــو حملہ کــرنے میں پیش قدمی کرے گا۔

دنیا میں مذہبی پروگرام دو طریقوں پــر چــل رہے ہیں ۔ بعض مذاہب وہ ہیں جو لڑنا اور حملہ کرنــا کســی حــالت میں بھی جــائز نہیں ســمجھتے

جیسے بدھ دھرم والے جو اصولاً اہنسا کے قائل ہیں اور جنگ کو کسی شکل میں بھی جائز نہیں سمجھتے۔

دوسرے وہ مذاہب ہیں جن کے نزدیک حسب ضرورت لڑنا جائز ہے۔

پس اصولی بات یہ ہے کہ کسی مذہب کے نزدیک جنگ جائز ہے یا نہیں ۔ اس معیار کے مطابق قرآن حکیم جنگ کو بالکل جائز رکھتا ہے۔ قرآن حکیم ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کا زبردست حامی ہے۔ قرآن فقط انقلابیوں کی چیز ہے جو مناسب موقع پر اپنے انقلاب کی کامیابی کے لئے لڑنا جائز سمجھتے ہیں ۔ (قرآنی شعور انقلاب، ص۱۸۶، ۱۸۹)

قومی انقلاب کی دعوت

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل۔۱۴)

(ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا)

بین الاقوامی انقلاب کے چند اصول بیان کرنے کے بعد ان کو قومی انقلاب میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ قومی انقلاب آگے چل کر بین الاقوامی انقلاب کی شکل اختیار کرے گا۔ اور قومی انقلاب لانیوالی جماعت ہی اس بین الاقوامی انقلاب کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی Working Committee) بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں :

حضرت امام الائمہ امام ولی اللہ دہلوی کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں ۔ ایک تویہ کہ آپ عرب کے لئے قومی نبی ہیں تاکہ اہل عرب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں اور ان میں قانون الٰہی جاری کریں ۔ دوسری یہ کہ آپ تمام اقوام عالم کے لئے نبی بناکر بھیجے گئے ہیں ۔ چنانچہ حضرت امام ؒ فرماتے ہیں کہ :

وَهٰذا الْاِمَامُ الَّذِیْ یَجمَعُ الْاُمَمَ عَلیٰ مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلیٰ اُصُوْلٍ اُخْریٰ غَیْرَ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ، مِنْهَا اَنْ یَّدْعُوَ قَوْماً اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَأْنَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَیُجَاهِدُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقَهُمْ فِی الْاٰفَاقَ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالیٰ: (کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) وَذٰلِكَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَهٗ لَایَتَأَتّٰی مِنْهُ مُجَاهِدَةُ اُمَمٍ غَیْرِ مَحْصُوْرَةٍ وَّاِذَا کَانَ کَذٰلِكَ وَجَبَ اَنْ تَکُوْنَ مَادَةُ شَرِیْعَتِهٖ مَاهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَذْهَبِ الطَّبْعِیِّ لِاَهْلِ الْاَقَالِیْمِ الصَّالِحَةِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ مَا عِنْدَ قَوْمِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِرْتِفَاقَاتِ وَیُرَاعیٰ فِیْهِ حَالُهُمْ اَکْثَرَ مِنْ غَیْرِهِمْ ((حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص۱۱۸)

”اس بین الاقوامی دعوت دینے والے نبی کی کامیابی کے اصول ان اصولوں سے مختلف ہوں گے جو ایک امام صرف اپنی قوم کے اندر دعوت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول

یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی امام اپنی قوم کو صحیح سنت کی دعوت دے گا اور انہیں پاک کرے گا اور ان کی حالت درست کر کے ان کو اپنا آلہ کار بنائے گا۔ وہ ان کی مدد سے باقی اقوام عالم سے لڑے گا اور ان کو چاروں طرف اپنی دعوت کا پیام دے کر بھیج دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران۔ ۱۱۰) (تم امت کا بہترین طبقہ ہو جو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تنہا بنفس نفیس لاتعداد اقوام کے پاس شریعت نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے قانون شریعت کا جوہر تمام اقوام کے لئے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب جو اچھی آب و ہوا کے خطوں میں بستی ہیں بمنزلہ مذہب طبیعی ہو۔ بایں ہمہ اس امام کی قوم کے علوم و ارتفاقات کا دیگر اقوام کی بہ نسبت اس تعلیم میں زیادہ خیال رکھا گیا ہو۔)پس بین الاقوامی دعوت دینے والا امام اپنا کام بین الاقوامی دعوت سے شروع نہیں کرے گا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی قوم کے صالح عناصر کو جمع کرکے قومی انقلاب برپا کرے گا۔ اور پھر اس قومی انقلاب کی مجلس عاملہ(جیسے عشرہ مبشرہ اس قومی انقلاب کی مجلس عاملہ تھی) دوسری اقوام میں کام کرے گی اور ان کے اندر انقلاب برپا کرے گی۔(قرآنی شعور انقلاب۔ ص۳۴۰)

★

بین الاقوامی درجہ

آپ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ مِلّتِ حَنِیۡفِیَة ابرِاھِیۡمِیَّ پر تمام اقوام عالم کو جمع کریں گے۔ کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دعاء"الفاتحہ" میں اپنے آپ کو "رَبِّ الْعٰلَمِینَ" کی حیثیت سے شناخت کروایا ہے۔ اس تمہیدی دعا کے بعد سوۂ بقرہ وغیرہ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوام عالم کے لئے بنیادی دستور حیات دیا گیا ہے، جس پر انہیں جمع کیا جائے گا۔

سورة فاتحہ قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نبوت کا یہ درجہ ہی آپ ﷺ کی بعثت کااصل مقصد ہے۔ اور سورة العلق کو قرآن حکیم کے آخر میں لے جانا ظاہر کرتا ہے کہ قومی درجہ جس کی طرف سورة العلق میں اشارہ ہے، بین الاقوامی عالمی درجہ کے لئے بطور تمہید اور وسیلہ کے تھا۔ اس لئے انسانیت کے اندر عالمی تحریک ہی قرآن حکیم کی دعوت کا عنوان بن سکتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ:

اَلۡاَنۡبِیَآءُ قَبۡلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانُوۡا یُبۡعَثُوۡنَ اِلٰی اَقۡوَامِھِمۡ خَاصَّةً.... وَبُعِثَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِلٰی کَافَّةِ النَّاسِ

(حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص ۱۲۴)

(ترجمہ)یعنی نبی اکرم ﷺ سے پہلے جو انبیاءگذرے

ہیں وہ سب کہ سب اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ا دنیا کی تمام اقوام کی طرف مبعوث ہوئے ہیں ۔

نیز فرماتے ہیں کہ:

” وَلَمَّا كَانَ الشَّرُّ السَّارِي فِي زَمَنِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ نِسْيَانُ التَّوْحِيدِ نَزَلَ الْحَقُّ بِإِزَآئِهِ بِإِشَاعَةِ التَّوْحِيدِ وَتَقْلِيدِ الْعِبَادَاتِ مِنْ طَهَارَةٍ وَصَلٰوةٍ وَزَكٰوةٍ وَحَجٍّ وَّصَوْمٍ وَذِكْرٍ وَلَمَّا كَانَ الشَّرُّ السَّارِي فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ اخْتِلَالُ الْمِلَلِ وَانْقِلَابُ الْاِرْتِفَاقَاتِ خَاصَّةً عَلٰى اَصْحَابِهَا وَكَانَ الْاَمْرُ اَشَدَّ وَاَقْسٰى نَزَلَ الْحَقُّ بِإِزَآئِهِ بِالْجِهَادِ وَاِشَاعَةِ الْعِبَادَاتِ وَتَوْقِيتِهَا وَالْقَضَآئِ بِزَوَالِ دَوْلَةِ الرُّوْمِ وَالْعَجَمِ وَانْتِظَامِ اَمْرِ النُّبُوَّةِ كَهَيْئَةِ الْاِرْتِفَاقِ الرَّابِعِ

(التفہیمات الاھیہ جلد اول ص ۸۲،۸۳)

(ترجمہ: سیدنا ابراہیم علیسلم کے زمانے میں نسیان توحید کا معاشرہ انسانی میں پھیل چکا تھا اس لئے حق اس کے بالمقابل نازل ہوا یعنی اشاعت توحید اور طہارت صلوۃ، زکوٰۃ، روزوں اور ذکر الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل میں ۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ا کے زمانے میں اقوام عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور انکی ارتفاقی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوگیا تھا اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کرگئی تھی اور یہ خرابیاں

اقوام دنیا کے بدن میں دور تک سرایت کرگئی تھیں ۔ اس لئے اب حق ان ضرورتوں کے لئے نازل ہوا اور قرار پایا کہ ان خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور عبادات کی اشاعت کی جائے، ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کردیئے جائیں اور قضا و قد رنہ یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کرکے ان کی جگہ نبوی نظام بین الاقوامی پیمانہ پر قائم کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تشریف لاکر انسانی فلاح و خیر کا دروازہ کھولا جو آج تک نہ کھلا تھا اور اس خیر و فلاح انسانی کی تعلیم کے ذریعہ سے انسانوں میں سے ایک ایسی امت (جماعت) منظّم کی جو نوع انسانی کے لئے بہترین (نمونہ کی) جماعت بن گئی)

حنیفیّت عالمی تحریک ہے:

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ا کی تحریک عالمی تحریک (World Movement) ہے صرف عربی تحریک نہیں ہے۔ عربی تحریک اس عالمگیر تحریک کی ترقی کا ایک زینہ تھی اور اس کے ارتقاءکی ایک منزل یہ عالمی تحریک اصل میں حنیفی تحریک ہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کو اس کی فطرت کے مطابق کمال تک پہنچایا جائے۔

دینی اور سیاسی تحریک میں فرق:

حنیفی تحریک میں ذہنی، عقلی، معاشی اور

معاشرتی تمام پہلو موجود ہیں اور ان تمام پہلوؤں میں ترقی ہی، اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک دینی بھی ہے اور سیاسی بھی، لیکن آج کل بعض لوگ دینی حرکت اور سیاسی حرکت میں فرق کرتے ہیں ۔ یہ لوگ دینی حرکت کو خیالی (Idealogical)**۔ تحریک کہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ صرف رہبانیت کی تحریک بن کر رہ جاتی ہے۔**

سیاسی تحریک کو حقیقت پسندانہ (Realistic)**۔ تحریک قرار دیتے ہیں ۔ لیکن ہمارے نزدیک حنیفی تحریک کے بارے میں "دینی" اور "سیاسی" کی یہ تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔**

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک ایک وحدانی (Unitar) **چیز ہے اسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اجتماعیت انسانی، کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزاءمیں تقسیم بھی کرلے تو اس سے دو تحریکیں نہیں بن جاتیں ۔ کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہرکیف انسانیت عامہ کی ترقی ہی رہتا ہے۔ جب اہل دین ایسے خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کرلیں جو غیر محققانہ (** Unsceintific) **ہوں یا اہل سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لیکر بیٹھ جائیں اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی اختلاف رہ جاتا ہے۔ ہم ان دونوں کی**

طرف التفات نہیں کرتے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے درپے ہوجاتا ہے تاکہ ان میں ظلم دور کرکے انصاف و عدل قائم کرے۔ ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کررہے ہیں ۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اصل میں صحیح دین وہ ہے جس کے امام سیدنا ابراہیم علیسلم ہیں ۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتا ہے اور ان کی تحریک عالمی تحریک ہے جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی۔ اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں ۔

دین کو سیاست کی ضرورت:

ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامہ کے لئے مفید دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم ان لوگوں کو سکھاتا ہے جو اسے سیکھتے ہیں ۔ اس فکر پر ان کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعت (Party)۔ بن جاتی ہے جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے عمل کو دوسرے لوگ جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں یا جو اس فکر کی ترقی میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interestes) کا نقصان تصور کرتے ہیں قوت کے ذریعہ سے خراب کردیں تو کیا

صحیح علم کے مالک کے لئے یہ ضروری نہ ہوگا کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لئے قوت دفاع (Defence Power) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ صحیح علم کے لئے سیاست (Politics) اور حکومت (State) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابل تقسیم وحدت ہے تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ: وَیَجِبُ بَذْلُ الْجُھدِ عَلٰی اَھلِ الآرَاءِ الْکُلِّیَّۃِ فِیْ اِشَاعَۃِ الْحَقِّ وَتَمْشِیَتِہٖ وَاِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّ فَرُقِہٖ وَرُبَّمَا لَا یَتِمُّ ذَلِکَ اِلاَّ بِمُخَاصَمَاتٍ وَمُقَاتَلاَتٍ فَیُعَدُّ کُلُّ ذٰلِکَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص ۵۰ طبع منیریہ مصر)

”جو لوگ انسانی معاشرے کی کلی اصلاح حال کے رنگ میں سوچتے ہیں ان پر واجب ہوتا ہے کہ اشاعت حق کرنے اور اسے معاشرے میں چلانے کے لئے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے کے لئے پوری پوری (جانی مالی) کوشش کریں لیکن اکثر یہ کوشش صرف ان شکلوں ہی میں ممکن ہو پاتی ہے کہ مخالفین حق کے خلاف نشر و اشاعت کی جائے اور قتال کیا جائے اس صورت میں یہ دونوں اعمال بہترین نیکی کے اعمال شمار ہوتے ہیں ۔“

ایسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ جب کوئی جماعت انسانی منافع میں سے کسی ایک حصے کی خدمت کے لئے اٹھے لیکن وہ اپنے آپ کو جامعہ

انسانیہ (Human Society) کا ایک جزو تصور کرے تو اس کے پروگرام کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ غلط ہوگا کہ وہ جماعت اپنی جزوی خدمت کو کلی قرار دے کر دوسری جماعت کے خلاف صف آرا ہو جائے اور یہ تو اور بھی بڑی حماقت ہوگی کہ وہ کلی تحریک کا انکار کردے یا اس کی طرف التفات نہ کرے۔

الغرض ائمۂ ادیان ہی اصل میں جامع انسانیت(Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں ۔ جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کولے کر کام کرتے ہیں وہ انبیاءسے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں ۔ جو اہل سیاست اور اہل فلسفہ و حکمت اور جو سائنسدان اپنے آپ کو ان ائمۂ دین کے تحت بطور جزوی کارکن لے آئیں وہ طبعی طور پر ان آئمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے۔ جو شخص دین کے معنی سمجھتا ہے اور اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے اور اہل سیاست و فلسفہ میں سے خدام انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے وہ ائمہ دین کے سوا کسی کو اجتماعیت انسانیہ کا امام تسلیم نہیں کرسکتا۔

عام مؤرخین بین الاقوامی تحریک کی ابتداءسکندر مقدونی (Alexander of Macedonia) سے کرتے ہیں لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ عالمی انسانی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیسلم سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ (۲:۱۲۴) "میں

تجھے نوع انسانی کا امام بناؤں گا”۔ اور ان کی اولاد اس عالمی پیشوائی کے لئے کام کرتی رہی۔ سیدنا ابراہیم علیسلم ایسے ہی امام ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انہی کی تحریک کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے ہیں ۔

چونکہ قرآن حکیم بین الاقوامی تحریک پیدا کرتا ہے جس کی ابتداءسیدنا ابراہیم علیسلم نے کی اس لئے اس کی پہلی سورت میں “رَب ا لعَالَمِینَ” کا تصور دیا گیا ہے۔

(قرآنی شعور انقلاب، ص۵۵،۶۰)

★

مقام نبوت

حضرت نبی اکرم ﷺ قریش پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہی نہیں ، بلکہ ان کی کمی پوری کرنے اور تعلیم دینے کے لئے آئے۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلوی “تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۲۰۳ میں فرماتے ہیں کہ:

”واضح رہے کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ میں دو خصوصیتیں جمع ہوگئی ہیں ۔

(۱) نبوت عامہ اور (۲) قریش کی سعادت کا سبب بننا۔

آپ کی نبوت میں مفہمیت کی تمام قسمیں آگئی ہیں ، اس سے ہر ایک رنگدار اور گوری قوم کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب (رحمت الٰہی) کی مصلحت کلی کا تقاضا ہوا کہ

ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیردی۔

باقی رہی قریش کی سعادت تو ان کی لمبی حکومت کی وجہ یہی سعادت تھی۔

میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہوا کہ ہندوستان کے ہندو مستقل عمومی حکومت پیدا کریں ، تو یقینا قانون الٰہی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کرلیں ، جیسے ترکوں نے قبول کرلیا تھا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی عمومیت اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں ، کبھی تو آپ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں کبھی اس حیثیت سے کہ آپ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں ۔

اسی فکر کو امام ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ (مطبوعہ مصر) جلد اول ص ۱۲۴ اور ص ۱۲۸ میں یوں ظاہر فرماتے ہیں :

”واضح رہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ملت حنیفیت اسماعیلیہ میں پڑی ہوئی کجی کو ٹھیک کرنے، اس کی بگڑی ہوئی شکل کو صاف کرنے اور اُس کا نور پھیلانے کے لیے تشریف لائے۔ جب حقیقت یہ ٹھہری تو لازم آیا کہ اس ملت کے اصول تو قائم رکھے جائیں اور اس کے طریقے نے

ہٹائے جائیں ۔ کیونکہ جب نبی اپنی قوم
کی طرف مقرر ہوکر آتا ہے تو اس قوم
میں کچھ اچھے طور طریقے باقی ہوں تو
وہ انہیں نہیں بدلتا، کیونکہ ان کو بدلنا
بالکل بے معنی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت
نبی اکرم ﷺ نے بھی ملت حنیفیہ
اسماعیلیہ کی شریعت پر نظر ڈالی، تو
جو چیز حضرت اسماعیل ضللہعنہ کے اصل
طریقے پر دیکھی اسے باقی رہنے دیا، اور
جو چیز بدل چکی تھی اور جس میں فساد
اور خرابی آچکی تھی اس کو ہٹادیا۔ آپ
نے ملت حنیفیہ کی اشاعت کی بے حد
کوشش کی کہ یہ قانون تمام قوموں پر
غالب آجائے۔ اس سلسلے میں ملت حنیفیہ
میں جو تحریفات دیکھیں ان کو مٹادیا اور
بڑے زور سے ان کی نفی کی۔ اور جو
ارتفاقات صحیح تھے، انہیں قائم رکھا۔
اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں
جو خراب رسمیں آگئی تھیں ، ان سے
روکا اور جبراً منع کیا اور اس ملت کے
اصول پر بین الاقوامی حکومت قائم کی
اور جو لوگ اس بارے میں آپ کے ساتھ
شریک ہوئے ان کی مدد سے جنگیں بھی
کیں ۔ یہاں تک کہ مخالفین کی مخالفت
دھری کی دھری رہ گئی اور خدا کا قانون
سب قوموں پر چل کر رہا۔ “ (ملخصا)

اور خیر کثیر میں فرماتے ہیں کہ:

"حضـــرت ہودعلیســـلم، حضـــرت صـــالح علیسلم، حضرت لوط علیسلم اور حضـرت شـعیب علیسـلم کی طـرح حضـرت محمـد رسـول اللہ بھی پہلی حیـثیت میں اپـنی قـوم کے لـئے نـبی بن کـر آئے۔ جب اس پـر ایـک زمـانہ گزرگیـا تـو آپ کی قـوتیں چودھویں کے چانـد کی جگہ سـورج بن کـر چمکنے لگیں ۔ پھر ایک اور ترقی ہوئی کہ آپ کی شان کو پورا پورا کمال حاصل ہوا جس سـے اوپـر کـوئی کمـال نہیں ہے۔ اب آپ کـرۂ زمین کے ہر ایـک گوشـے کے امـام بنائے گئے۔"

آپ کی ان دو حیـثیتوں کی حکمت حجتہ اللہ البالغہ میں یوں بیان فرماتے ہیں ۔

"جو امام سـب قومـوں کـو اپـنی ملت پـر جمـع کـرنے کے لـئے اٹھتـا ہے، وہ پہلے ایـک قوم کو صحیح اصـول کی دعـوت دیتـا ہے، انہیں غلط کاریوں سے پاک کرتا ہے ان کی حالت درست کرتا ہے اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بناکر دنیا کی سـب قومـوں سـے جنـگ کرتا ہے اور اپنی قوم کے لوگـوں کـو سـب قومـوں کے انـدر پھیلادیتـا ہے، کیـونکہ یہ ظـاہر ہے کہ کسـی امـام کے لـئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اکیلا تمـام قومـوں سـے جنگ کرتا پھرے" (جلد اول ص ۱۱۸)

اس اصول نے حضرت نبی اکـرم ﷺ کی مبـارک زندگی میں کس طـرح کـام کیـا، اس کی تشـریح

آگے چل کر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

”مہاجرین اور انصار کی پہلی جماعت، قریش اور ان کے ارد گرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرایا۔ کیونکہ ان علاقوں میں عرب عنصر موجود تھا۔ اسے اپنی قوم کے اندر عربی اسلامی انقلاب کے لئے تیار کیا گیا۔ پھر ان عراقیوں کے ہاتھوں ایران اور شامیوں کے ہاتھوں روم فتح کرائے (کیونکہ انہیں ان علاقوں کے باشندوں سے مناسبت تھی) پھر ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان اور ترکستان اور ررومیوں کی مدد سے حبشہ وغیرہ کے علاقے فتح کرائے۔“

(قرآنی شعور انقلاب، ص۵۳۷)

★

نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی حیثیت

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی تحریک ہے۔ اکیلے حضرت محمد رسول اللہ کا کام نہیں ہے۔ (وہ مزملے رفقاءکار جمع کرنے والے ہیں ۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے مشورے سے کام کرتے ہیں ۔ ان کی نبوت کی حیثیت جداگانہ، مستقل حیثیت ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں اور نہ ان کا کوئی مشیر ہے)؟قرآن حکیم میں حضرت نبی اکرمﷺ کی اس

اجتماعی حیثیت کی طرف جابجا اشارہ موجود ہیں ۔ مثلاً

فَالَّذِینَ ھَاجَرُوا وَاُخْرِجُوا مِنْ دِیَارِھِمْ (آل عمران. ۱۹۵)

(جن لوگوں کو گھر بار سے ہجرت کرنی پڑی اور جن کو اپنے وطن سے نکالاگیا)

ظاہر ہے کہ وہ تنہا حضرت نبی اکرمﷺ نہیں تھے بلکہ آپ اور آپ کے ساتھی سب مراد ہیں ۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال ۶۴)

”اے نبی! اللہ تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کے لئے کافی ہے۔“

اس میں بھی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ملا کر ایک جماعت ظاہر کیا گیا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

(یعنی پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین سب پر اطمینان قلب نازل فرمایا (توبہ ۲۶)

لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (توبہ۔ ۸۸)

یعنی رسول اور وہ لوگ جو اس کے شریک ایمان ہیں ، اپنے مال و جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں ، جملہ بھلائیاں ان سب کے لئے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ۔)

یہاں بھی صحابہ کرام کو رسول کا شریک ایمان یا رفیق فکر اور جہاد میں شریک یعنی رفیق عمل ظاہر کرکے کامیابی کے نمونے کے لئے

ساری جماعت کو پیش کیا گیا۔

یہی وہ چیز ہے جسے حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے بھی مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ (جس اصول کار پر میں اور میرے ساتھی ہیں) کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مشورہ کرنا آنحضرت ﷺ کے لئے ضروری تھا

آپ کی یہ اجتماعی حیثیت ہے جو مشورہ کرنے کے حکم کو قبول کرسکتی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظوں میں آیا ہے؛

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰہِ
(آل عمران ١٥٩)

(ان سے معاملات ملی میں مشورہ (ضرور) لیا کرو، اور جب پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو)

امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> ”حضرت نبی اکرم ﷺ پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا لازم تھا۔ دینی امور میں بھی اور ان امور میں بھی جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ اور دنیاوی امور میں بھی۔ یہ غلط کہا جاتا ہے کہ یہ مشاورت محض ان کاجی خوش کرنے اور ان کی قدر بڑھانے کے لئے تھی اور اس لئے بھی کہ آپ کی امت اسی طرح کرے۔ کیونکہ

جب کسی کو معلوم ہو کہ مجھ سے جس امر کے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے اور جس بارے میں صحیح رائے پوچھی جا رہی ہے اس کے متعلق میں نے ایک مشورہ اپنی پوری کوشش سے پیدا بھی کرلیا یا سوچ بچار کرکے کوئی صحیح رائے قائم کرلی تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے گا اور نہ اسے قبول کیا جائے گا تو بھلا اس مشاورت سے اس کا جی کیا خوش ہوسکتا ہے اور اس کی قدر کیا بڑھ سکتی ہے؟ بلکہ اس کا اثر الٹا یہ ہوگا کہ ایسے مشورہ لینے والے سے وحشت بڑھے گی کیونکہ اسے علم ہوگا کہ میری رائے نہ کسی کو سننی ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سے ان معاملات میں مشورہ کرتے جن میں کوئی صریح حکم موجود نہ تھا ۔البتہ صریح احکام کے بارے میں مشورہ ناجائز تھا مثلاً یہ پوچھنا کہ نماز ظہر یا عصر کے بارے میں یا زکوٰۃ یا روزے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بالکل غیر ضروری تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشورے کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ فلاں بات میں مشورہ کرو اور فلاں میں نہ کرو ،اس لئے لازم تھا کہ ہر دو معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ

لیتے"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"عزیمت (پختہ ارادہ) کا ذکر مشاورت کے بعد آیا ہے[1] یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو۔"

(احکام القرآن جلد دوم ص ۴۱ طبع بیروت)

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کے مطابق آپ سے دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مُشَاوَرَتُ اَھْلِ الرَأیِ ثُمَّ اِتِّبَاعُم یعنی جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں ، ان سے رائے لے کر ان کی رائے کی پیروی کرنے کا نام عزم ہے۔

مشاورت کی اہمیت:

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس بلند اجتماعی تصور کو آپ کی انفرادیت میں گم کردیا۔

مشاورت کا مسئلہ اسلام میں بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اسلامی حکومتوں کو مشورہ سے خالی کرکے مطلق العنان، جاہل حکمرانوں اور امیروں کا کھیل بنادیا گیا ۔ وہ مسلمانوں کی امانت (سرکاری خزانہ) سے اپنی شہوت پرستیوں پر روپیہ صرف کرتے ہیں ۔ وہ بڑی سے بڑی مصلحت

---

[1] قرآنی الفاظ کی ترتیب یوں ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰہِ ظاہر ہے کہ اس میں وَشَاوِرْهُمْ (ان سے مشورہ لیا کر) پہلے واقع ہوا ہے اور (فَاِذَا عَزَمْتَ جب تو پختہ ارادہ کرے) بعد میں آیا ہے۔ (مرتب)

کے مقابلے میں خیانتیں کرتے ہیں اور ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ۔

اس قسم کی غلطیوں کا خمیازہ مسلمانوں کو صرف اس غلط تفسیر کی وجہ سے بھگتنا پڑا۔ ورنہ ہر ایک مسلمان ایک حاکم کے اوپر ننگی تلوار ہے۔ وہ حاکم کیوں قانون الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا؟ اگر وہ اطاعت نہیں کرتا تو کس بنا پر ہم سے اطاعت کا طلبگار ہوتا ہے؟ یہ طاقت مسلمانوں میں پھر سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ان کی جماعتی زندگی آسانی کے ساتھ قرآن کے مطابق بن سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شوریٰ کو مستحب کا درجہ [2] بناکر اسے سیاست اسلامی سے نکال ڈالنے والے لوگوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

صحابی سے کون مراد ہیں ؟:

ایسے ہی صحابی کی وہ تعریف عوام میں مشہور ہوگئی ہے جس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں ۔ صحابی کی یہ تعریف کہ اس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو ، حدیث کی روایتیں جمع کرنے کی خاطر بنائی گئی ہیں ورنہ اصل میں سیرت نبوی کے اعتبار سے صحابی وہ ہے جس نے آپ کی معیت لازم پکڑی اور آپ کے ساتھ آخر تک انقلاب میں شریک رہا، تکلیفیں اٹھائیں اور اس تحریک کی صداقت کے متعلق پورے یقین کے ساتھ یہ اطمینان کرلیا

---

[2] مستحب وہ امر ہے کہ اس پر عمل کریں تو اچھا ہے اور نہ کریں تو کوئی حرج بھی نہیں (مرتب)

کہ انسانیت کے لئے اس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں ہے۔[1] یہی وجہ وہ لوگ ہیں جن کی تعریف قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال۔ ۷۴)

(یعنی جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے)

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی جنہوں نے آپ کی سیرت (حالات زندگی) کے بنانے میں حصہ لیا چند صفتیں ہیں ۔

(۱) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح۔۲۹) (کافروں

---

[1] چنانچہ محدث مازری شرح برہان میں رقمطراز ہیں کہ:لسنا نعنی بقولنا "الصحابۃ عدُول" کل من راٰہ صلعم یوماما، اوزارہ لماما، اواجتمع بہ الغرض وانصرف مکثا انما نعنی بہ الذین لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولائک هم المفلحون) منقول از اسوہ صحابہ از مولانا محمد سعید انصاری جلد اول ص۔۱۱ بحوالہ "فتح المغیث" ص ۳۷۷) یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ الصحابۃ عدول (صحابی سب عادل ہیں) تو اس سے ہماری مراد ہر وہ شخص نہیں جس نے آنحضرت ﷺکو کسی روز دیکھ لیا یا کبھی زیارت کرگیا، یا کسی کام سے آیا اور فوراً واپس لوٹ گیا، بلکہ ہماری مراد ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے آپ کی معیت لازم پکڑی، جہاد میں آپ کی مدد کی، آپ کی حمایت میں آپ کے دشمنوں سے لڑے، اور اس نور کی پیروی کی جو آپ پر نازل ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں کامیاب ہوئے۔ (مرتب)

پر سخت)

نبی ﷺ کے ساتھی اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ ہیں : ان کی سختی کے دو پہلو ہیں : یہ لوگ مخالفوں سے لڑنے میں بڑے سخت ہیں ۔ کہ موت قبول کرکے لڑنے کے لئے جاتے ہیں ۔

(۲) جو لوگ اس تحریک کے کھلم کھلا دشمن (کافر) ہیں ، یہ لوگ ان کافروں کو انتہائی سزا دینے کے طرفدار ہیں ۔ قتل کی ضرورت ہو توقتل کردئے جائیں ۔❷ ورنہ جو اس سے کم سزا ضروری ہو وہ دی جائے۔

قتل ہمیشہ اسی وقت کیا جائے گا جب انہوں نے قتل کیا ہو یا وہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے ہوں۔ ورنہ ان کی انتہائی سزا یہ ہے کہ ان کی سیاسی تحریک روک دی جائے اور انہیں سیاست میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔ ان کی عقلمندی سے جو ارتفاقی اور تمدنی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں ، ان سے جماعت کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے۔

(۲) رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ (آپس میں رحمدل)

وہ " رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ " بھی ہیں : جو لوگ اس تحریک کی تائید میں ان کے ساتھی ہیں ان کے لئے ان کے پاس سوائے رحمت کے اور کچھ نہیں ۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد پر رحمت کرتے ہیں ۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رحمت

---

❷ جنگ بدر میں جو کافر قیدی گرفتار ہوکر آئے حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق تجویز کیا کہ ہر ایک مسلمان ان میں سے اپنے اپنے عزیزوں کو قتل کردے۔ (مرتب)

سے پیش آتے ہیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے بھی رحمت کے دروازے کھولتے ہیں جس شخص کے متعلق امکان نظر آتا ہے کہ وہ اس تحریک کی تائید کرے گا اسے مخالف بننے کا موقعہ نہیں دیتے۔

ان کے جو ساتھی مظلوم اور ضعیف ہیں ، اگرچہ یہ انہیں پہنچانتے بھی نہیں ، مگر ان پر رحم کرنے کے لئے اپنی تمام عزت قربان کردیتے ہیں ، جیسے انہوں نے حدیبیہ کی صلح میں کیا۔ یا حضرت فاروق اعظم نے عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے سے اس بناءپر انکار کردیا تھا کہ ان اراضی کا فائدہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ملنا چاہئے۔ (ازالہ الخفا:امام ولی اللہ دہلوی مقصد دوم ص۱۲۷)

(قرآنی شعور انقلاب، ص۵۸۰)

★

رسول اللہ ﷺ کی پارٹی کی ضرورت

اگر کتاب الٰہی کی اشاعت کو پارٹی پروگرام میں منضبط کرلیا جائے، جیسے ہم سورہ مجادلہ میں حزب اللہ کی تاسیس سے استنباط کرتے ہیں اور انسانی عقلمند جماعتوں کا فیصلہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی کی آمریت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا تو انبیاءکرام کی کامیابی کو ان کی پارٹی کی کامیابی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انبیاءکرام اپنی پارٹیوں کے لیڈر

ہوتے ہیں اس لئے دنیا غلطی سے رہنما کو ڈکٹیٹر سمجھ لیتی ہے۔ حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقاءکی کامیابی کے بغیر کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاءکی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے جیسے موسیٰ علیسلم کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، مگر ان کے رفقاءکی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منازل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ چنانچہ سورة المائدہ آیت نمبر ۲۶ ملاحظہ ہو۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ

ترجمہ: اللہ نے فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے وہ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے۔ سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر!

یعنی کہ اگر یہ (بنی اسرائیل) ایسے ہی ڈرپوک اور بے حس ہوگئے ہیں تو ان کو ارض مقدس کی بادشاہی دینے سے کیا نفع ہوگا؟ لہٰذا سزا کے طور پر یہ چالیس سال یہاں جنگل میں پھریں تاکہ بے غیرت اور بے حس بڈھے مرجائیں اور ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہو، وہ جاکر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جمالے۔

ادھر قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو 'الذین معہ' کی کامیابی پر منحصر کرتا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

(۹: ۸۸، ۸۹)

ترجمہ: لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ
اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ
اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا
﴿۲۹﴾ (سورہ الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں ۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں ۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ۔ ان کی

شناخت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔ یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے۔ مثل اس کھیتی کے، جس نے اپنا انکھوا نکالا پھر اسے قوی کردیا۔ پھر موٹا ہوگیا۔ پھر اپنے تنے پر کھڑا ہوگیا۔ کسانوں کو خوش کرنے لگا۔ تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

رسول اللہﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں ؟:

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءکی کامیابی ان کے حزب کی کامیابی ہی ہوتی ہے اس کے بعد اگر یہ پوچھا جائے کہ رسول ﷺ کے ذوی القربیٰ کون ہیں ؟ تو بلا تامل یہی جواب دیا جائے گا کہ “اس ﷺ کی پارٹی کے ممبر” مگر ایک ایسا آدمی جس نے انبیاءکی کامیابی کا ایسے نقطہ نگاہ سے مطالعہ نہیں کیا ہو کہے گا “رسول اللہ کے شخصی رشتہ دا!“

رسول اللہﷺ کے نسبی قربیٰ

نبی اکرم کے نسبی رشتہ دار اولاد بنی ہاشم اور پھر اولاد علی رضی اللہ عنہ اور اولاد عباس رضی اللہ عنہ ہیں ۔ ان کی سیاست کا مخصوص انداز یہی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے طریق پر خلافت قائم کرکے اس کے مرکز میں آنا چاہتے تھے، مگر

نبی اکرم ﷺ نے آن کے اس استحقاق کی ہرگز صراحت نہیں فرمائی۔ بنی امیہ کی خلافت کے زمانے میں بنی ہاشم حزب مخالف کی حیثیت اختیار کرچکے تھے۔ اب انہوں نے جماعت کے ذریعے سے کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد دو حصے ہوگئے (۱) بنی عباس (۲) علویین

نسبی قربیٰ کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں :

بنی عباس نے مرکزی خلافت پر قبضہ کرلیا اور علویوں نے اطراف مملکت پر، علوی، آیت:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى

(شوریٰ۔۲۳)

ترجمہ: کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے)۔... میں ‘ذوی القربی’ سے اپنی ذات مراد لیتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اجر یہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کی حکومت قیامت تک تمام مسلمانوں کے گلے میں پڑی رہے۔ خواہ وہ حکومت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ کی محنت کا اجر یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے اقرباءسے محبت سے پیش آنے لگیں ۔

(نساء۔۱) میں دیکھیے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے

آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں کے بارے میں سے خبردار رہو! بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

شریعت اسلامیہ کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ دعوة الی اللہ ہے، اللہ کے احکام کا اتباع ہے اور ان کا انصاف کے ساتھ قیام ہے۔ شریعت الہیہ کا دوسرا جزو اعظم جو اس سے متفرع ہوتا ہے صلہ رحمی ہے یعنی اہل حق کے حقوق بے کم وکاست ادا کئے جائیں ۔ انسانی فطرت اسی پر مجبور ہے اور قرآن حکیم اس فطرت انسانی ہی کے تقاضے پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر یہ فطرت خراب ہوجائے تو انسانیت خراب ہوجاتی ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ میری رسالت کا اجر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم آپس میں صلہ رحمی کرو اور اس باب میں گمراہی میں مبتلا نہ ہوجاؤ۔ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ واضح موجود نہیں ہے کہ مودة فی القربی سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ مودة ہے۔

مودة فی القربیٰ کا اصل مفہوم

اس دعوت کی کہ لوگ اپنے اپنے اقربا کے حقوق ادا کریں یہ حکمت تھی کہ لوگ اس پر مطمئن تھے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں ہمارا ہی نفع ہے۔ پس اہل بیت اور سب مائیں اس دعوت کو سنتی تھیں کیونکہ قطع رحم سے سب سے زیادہ

نقصان امہات ہی کو پہنچ سکتا ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی تبلیغ و سعی اصلاح کا اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتے کہ ہماری اولاد ہماری خدمت کرے تو وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہوجاتی تھیں ۔ جو شخص مکہ معظمہ میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار کا مطالعہ کرے وہ اس چیز کو نہایت بیّن پائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فُوَ لَكُمْ) سبا۔۴۷(

ترجمہ: کہہ دیجئے میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تم ہی رکھو

پس نبی اکرم ﷺ بھی دوسرے انبیاءکی طرح امت سے کوئی مادی یا غیر مادی اجر طلب نہیں کرتے۔ وہ تو ساری عمر یہی فرماتے جاتے ہیں کہ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللِ (۳۴:۴۷) ۱۰:۷۲، ۱۱:۲۹، ۱۱:۵۱، ۲۶:۱۰۹، ۴۷:۳۴،

اور یہی سنت انبیاء ہے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ متقدم فی الاسلام ہونے کی وجہ سے بنو ہاشم عجمیوں سے افضل واولیٰ ہیں ، بشرطیکہ ان میں شرائط خلافت پائی جائیں ۔

الغرض قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کے نسبی رشتہ داروں کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس لئے ان سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو حضور ﷺ کی تحریک میں جان و مال لٹا کر شریک ہوتے ہیں ۔ وہ حزب اللہ کے مندرجہ ذیل تین اجزاءہیں ۔

یعنی رسول اللہؐ کے تین قسم کے ذوی القربیٰ:

(۱) مہاجرین،آیت نمبر ۸ (۲) انصار آیت نمبر ۹ (۳) تابعین باحسان آیت نمبر ۱۰۔ یہ تینوں قسم کے لوگ ذوی القربیٰ کی تفسیر ہیں ۔

رسول اللہ ﷺ کی صحیح پوزیشن

فے میں سے جو حصہ ۵۱ رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے وہ کافی بڑی مقدار ہے۔ یہ اس لئے دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی یعنی نسبی رشتہ دار بہت سے ہیں جن کے رسول اللہ ﷺ پر طبعی حقوق ہیں ۔ ان کے مصارف اس حصے میں سے نکلیں گے۔ ذی القربیٰ کا جو ۵۱ حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی اور نسبتی رشتہ داروں کے لئے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تو یہ ہے کہ وہ اپنا ذاتی پانچواں حصہ بھی کبھی پورا وصول نہیں کرتے بلکہ ازواج مطہرات اور قریبی رشتہ داروں کے واجبی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ رقم پھر یتامی اور مساکین کے حصے میں لوٹا دیتے ہیں ۔ اس کے بعد یہ خیال بنانا کہ رسول اللہ ﷺ ۵۱ حصہ اپنے ذاتی نام سے اور ۵۱ حصہ اپنے ذوی القربی کے نام سے لیتے ہیں یہ اس پرانی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے شہنشاہیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بنی ہاشم میں چند آدمی اس خیال کے ضرور پیدا ہوگئے تھے مگر حضرت ابوبکر ضللہعنہ اور حضرت عمر ضللہعنہ

نے ان کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا نسلی حق جس کے بعض بنی ہاشم مدعی تھے قائم نہ ہوسکا۔ یہ اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا شرف ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بعض بنی ہاشم کی پالیسی چل جاتی تو ساری دنیا یہی کہتی کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت کا دعویٰ کرکے اپنے خاندان کے لئے چند روزہ شہنشاہی پیدا کرلی۔ (قرآنی شعور انقلاب ص ۱۹۷،۲۰۲)

★

نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ (الفتح۔ ۲۹)محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی) سے جو جماعت پیدا ہوئی ہے اس کی زندگی ارتفاق اور اقتراب دونوں کے لحاظ سے نمونے کی زندگی ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی حکومت بھی پیدا کی اور قرب الٰہی کے بھی اونچے سے اونچے درجوں تک پہنچے۔ ان کا یہ کارنامہ قیامت تک کے انقلابیوں کے لئے اعلیٰ درجہ کا نمونہ ثابت ہوگا۔ بیچ میں اس نمونے پر اور نمونے ڈھلتے رہیں گے۔ لیکن اصل نمونہ یہی ہوگا۔ حضرت امام ولی اللہ دہلوی نمونے کے اس اولین دور کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم مانتے ہیں۔

اوراس دور کی تاریخ کے جس اعلیٰ پائے کے

وہ شرح کرنے والے ہیں اس سے بہتر کوئی دوسرا عالم نہیں مل سکتا۔

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ قرآن کا قانون بین الاقوامی درجے پر غالب رہنا چاہئے۔ یہ جماعت اپنے فیصلے سے اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔ یبتغون (چاہتے ہیں) سے یہی مراد ہے کہ اپنی مرضی اور فیصلے سے "چاہتے ہیں"۔

(ہ) سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح۔ ۲۹)

(ان کی نشانی ان کے مونہوں پر ہے سجدے کے اثر سے)

سجدے کی روح۔۔۔۔۔ قربانی۔۔۔۔۔ ان کے اندر داخل ہوچکی ہے اور اس سے وہ اس قدر نڈر ہوچکے ہیں کہ ان کے چہرے سے ایک نور ابلتا ہے وہ ہر ایک مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہیں ۔ انہیں راہ حق سے کوئی مصیبت ہٹا نہیں سکتی۔

(و) ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ (الفتح۔ ۲۹)

ان کی یہ تمثیل تورات میں (پہلے ہی) بیان کردی گئی ہے۔

تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر:

تورات میں اس کا اشارہ مجمل ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ میں بنی اسماعیل کو اتنا ہی بڑھاؤں گا جتنا بنی اسحاق کو۔ میں انہیں ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

(ز) وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

(اور انجیل میں ان کی تمثیل جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا، پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر وہ موٹا ہوا پھر کھڑا ہوگیا اپنی نال پر، خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو) (الفتح۔۲۹)

اس سلسلے میں انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات لائق توجہ ہیں :

انجیل مرقس باب ۴ آیات ۳۔۹ میں ہے کہ:

”سنو، دیکھو، ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آکر اسے چک لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی، اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑنہ ہونے کے سبب سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا۔ اورجھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبالیا۔ اور وہ پھل نہ لایا۔ اور کچھ چھپی زمین پر گرا ۔ وہ اگا اور بڑھکر پھلا اور کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا کوئی سوگنا پھل لایا“۔

پھل لانے کی مزید کیفیت آگے چل کر آیات ۲۶۔۲۷۔۲۸ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

اور اس نے کہا: خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے، اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی

ہے پہلے پتی، پھربالیں ، بعد اس کے بالوں میں تیار دانے“

(ح) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ (تاکہ ان سے کافروں کاجی جلائے)

خدا نے قوموں کو رسولوں کے ذریعے سے اپنی کتابیں اور ہدایتیں دیں ۔ وہ لوگ اس دین کی عزت کرتے اور اپنی کتاب پر عمل کرتے تو ان کی عزت قائم رہتی اور ان پر کوئی دوسرا حاکم نہ ہوسکتا مگر انہوں نے ان کتابوں کی عزت نہ کی اور اپنے دین کا احترام قائم نہ رکھا بلکہ اس کی عملاً مخالفت کی یہ کفار ہیں ۔

اب ایک دیندار جماعت پیدا ہوتی ہے جو ان پر غالب آجاتی ہے۔ کفار اپنے آپ کو بھی دیندار سمجھتے ہیں ۔ انہیں غصہ آتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے دین پر غالب کیوں آگئے؟ لیکن حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہ باعمل جماعت جو مرنے پر آمادہ ہے۔ ان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے والوں یا نیم دلی سے اپنے دین کے ماننے والوں پر غالب آجائے۔

ان نام نہاد “دیندار” قوموں کو مغلوب کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ یہ انقلاب قیامت تک جاری رہے گا۔ کیا مہاجرین کی پہلی جماعت کے ذریعے ہندوستان، ترکستان اور سوڈان فتح ہوسکتے تھے؟ پس قرآنی تحریک کی ترقی ایسی ہے جیسے کھیتی کا نشوونما پانا یہ چھومنتر کا کام نہیں ہے۔ ارتقائی کام ہے۔ یہ طبعی چیز ہے ہوکر رہے گی۔مگر بعض لوگ جن کی نظر قرآن

پر گہری نہیں ہے۔ طبعی رفتار کو دین سے الگ کرتے ہیں لیکن ہم امام ولی اللہ کے واسطے سے نیچر اور دین کو ایک ہی چیز مانتے ہیں ۔ یہ تحریک اس کی مثال ہے۔ یعنی جس طرح بیج بونے کے بعد کھیتی طبعی رفتار سے ترقی کرتی ہے۔ ایسے ہی یہ قرآنی تحریک طبعی طور پر ترقی کرے گی۔ اور تمام دنیا پر چھا جائے گی۔

یہاں تک حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان کی کامیابی کے کفیل بنے۔ اب ایک کُلیہ کے طور پر جامع اصول بیان کیا جاتا ہے۔

(ط) وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُم مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا (ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ انہیں معافی ملے گی اور بڑا اجر ملے گا)

یہ نمونے کی جماعت ہے: اس انٹرنیشنل تحریک کو چلانے والی جتنی جماعتیں ہیں ۔ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہان سب سے وعدہ ہے۔ کہ ان کی غلطیاں معاف کردی جائیں گی۔ بشرطیکہ وہ اس پروگرام پر چلتی رہیں ۔ وہ اس تحریک سے بڑے بڑے فائدے حاصل کریں گے۔ اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔

رسول اللہ کی جماعتی کامیابی جو نمونے کے طور پر قرآن کی عملی زندگی پیش کرتی ہے۔ وہ سورہ فتح کی آخری آیت میں ضبط کردی گئی ہے۔ اس نمونے پر قیامت تک عمل کرنا ہوگا۔ اب قرآن شریف کو کسی اور نمونے کی ضرورت

نہیں ہوگی اور نہ انسانیت کو کسی اور کتاب الٰہی کی حاجت ہوگی۔ تمام مسلمانوں پر ایسی جماعت کا قائم رکھنا فرض ہے۔ (قرآنی شعور انقلاب ص ۵۸۸،۵۹۱)

نبی اکرم ﷺ بطور معلم اور نذیر

رسول اکرم ﷺ کی یہ دو حیثیتیں اس طرح ہیں ۔

(۱) معلم (۲) جماعت کا لیڈر

معلم کی حیثیت سے آپ شاگردوں کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا ہے۔ اور فلاں شاگرد فلاں قابلیت کاہے یہاں آپ کی شان معلمی ختم ہوجاتی ہے۔

اس کے بعد وہ شاگرد آپ کے ساتھ ایک جماعت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں ۔ آپ اس جماعت کے رہنما ہیں ۔ یہ جماعت منافقوں اور مشرکوں سے بالکل الگ اور خاص صفتوں کی مالک ہے۔ یہ جماعت قرآن کے اس پروگرام پر چلتی ہے کہ مظلوم انسانیت کی خدمت کرو۔ ظالموں کو گراؤ اور مظلوموں کی داد رسی کرو۔ اور اس سارے کام کا بدلہ صرف اللہ سے مانگو۔ اس پروگرام پر جو ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتا ہے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ کامیاب زندگی کی بشارت دیتے ہیں۔ (مبشراً) اور اسے یقین دلاتے ہیں کہ اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے فوائد محفوظ ہیں۔ جو لوگ اس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک نہیں چلتے انہیں خبردار کرتے ہیں کہ جن کی دنیاوی زندگی اور اخروی

زندگی ناکام رہے گی ہوں بہانے بنا کر دل کو خوش کرلیں ، لیکن کامیابی نصیب نہ ہوگی۔ (نذیرا)

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الفتح۔۹)

”تم ضرور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا وقار قائم کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو“

خدا کی محبت کی معنی

حضرت نبی اکرم کو شاہد ، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت ہے انہیں ایک استاد کی ضرورت ہے جو انہیں بتائے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے اور خدا کی محبت کے دعوے سے انسانوں کی خدمت کس طرح ہونی چاہیے۔

(قرآنی شعور انقلاب ص ۵۴۶)

*

سیدھی راہ

رسول اللہ کی کامیابی کا صحیح پروگرام یہ ہے کہ قریش آپ کی تعلیم کے خادم بنیں ، اور آپ کے اصول پر جو حکومت پیدا ہو اسے چلائیں ۔

تاکہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کی دعا عمل میں آئے۔❶

اگر یہ صورت پیدا نہ ہو اور آپ دوسری قوموں کی مدد سے اپنا پروگرام کامیاب بنا کر دکھادیں ، تو گو آپ انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان کرنے والے گنے جائیں گے۔ لیکن ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی دعا کا مصداق نہ ٹھہریں گے۔ پہلے نبیوں کی برکتوں کا مصداق بننا تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ کہ آپ قریش کو اپنا مددگار بنائیں ، پہلے سب نبی اپنی قوم کو دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور انہیں ساتھ ملا کر کام کرتے رہے ہیں ، اس لئے آپ کا بھی فرض ہے۔ کہ اپنی قوم کو ساتھ ملائیں ، کیوں کہ کام کرنے کا طبعی طریقہ یہی ہے۔ اس سے آپ

---

❶ ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَيُزَکِّيْهِمْ ۭ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ ﴿١٢٩﴾ (البقرہ ١٢٧۔١٢٩) (اے ہمارے رب! (اسے) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا تابع بنائے رکھ اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے حکموں کے نیچے رہ کر زندگی بسر کرے۔ اور ہمیں مناسک سکھا اور ہم پر رحم فرما۔ تو رحمت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اس نسل میں (جس کی ہم نے دعا کی ہے) انہی میں سے ایک (ایسا) رسول پیدا کر جو انہیں تیرے حکم پڑھ کر سنائے، قانون سکھائے (اس قانون کی) حکمت بتائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو عزت دینے والا حکمت والا ہے۔)

کا طریقہ وہ ہوجائے گا جو حضرت آدمعلیسلم سے شروع ہوکر آپ تک ایک ہی طرح قائم رہا۔ یعنی پہلے قومی انقلاب مکمل کرنا پھر اسے بین الاقوامی درجے تک کامیاب بنانے کی کوشش کرنا۔ اگر آپ بھی اس طریق پر کام کریں تو؟ یہ طریقہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے مستقل پروگرام بن جائے گا اگر آپ پہلے نبیوں کے طریق سے ہٹ کر طریقہ اختیار کریں تو وہ آئندہ انسانیت کے لئے تبدیل نہ ہوسکنے والا پروگرام نہ ہوگا۔ غرض حضرت نبی اکرم ﷺ یہی طریق اختیار کیا کہ پہلے اپنی قوم کو درست کیا اور انہیں اپنا دست و بازو بنایا۔ پھر ان کی مدد سے دوسری قوموں کے ایک ایک حصے کو ساتھ ملایا۔ پھر اس حصے نے اپنی اپنی قوم میں یہ انقلابی کام کیا اور قرآن حکیم کی تعلیم پھیلا کر اس انقلاب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی نے قوم بقوم اسلام پھیلنے کا جو طریق تاریخی طور پر ثابت کیا ہے۔ اس کا تذکرہ ہم پہلے کرچکے ہیں ۔ آج بھی جو قوم قرآن کے انقلاب کو بین الاقوامی درجے پر کامیاب بنانے کا تہیہ کرے وہ اسی طریق سے اسلام کی تعلیم کو کامیاب بناسکتی ہے۔ یہ تنظیم و تربیت ہی انقلاب کی روح ہے۔

وَّ يَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا (الفتح۔ ۳)

(اور اللہ مجھے زبردست مدد دے)

کل قومی حکومت تیری اس کمزور جماعت ہی کے ذریعے سے مہیا ہوجائے گی۔ چنانچہ

حضرت عثمان غنی ضللہعنہ کی شہادت سے پہلے ان غـریب اور بے کس عربـوں نے قیصـر و کسـریٰ کی حکومتـوں کے تخـتے الٹ کـر رکھ دئیے اور ان کی جگہ قـرآن کـا قـانون چلایـا۔ اس انقلاب کی بنیاد انسانی فطرت کی ضـرورتوں پـر تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ سب قوموں کے عقلمنـد لوگـوں نے اسـے مـان لیـا۔ اس طـرح یہ تحریـک روز بـروز بڑھـتی گـئی۔ یہ سـب کچھ اس صـلح حـدیبیہ کـا نتیجہ تھا۔

(قرآنی شعور انقلاب ص ۵۳۷،۵۳۸)

★

اب انقلاب عمومی حضرت محمد ﷺ ہی کی اتباع سے آسکتا ہے

حـنیفی اولـوالعزم انبیـاء علیہمسسـلم مثلاً حضـرت موسـیٰ اور حضـرت عیسـیٰ علیسـلم کوشـش کـرتے رہے کہ تمـام دنیـا میں تـورات کـو پھیلا کـر امـامت کـبریٰ (بین الاقـوامی قیـادت) حاصل کریں لیکن یہ مقام محمود حضـرت محمـد مصطفیٰ ﷺ ہی حاصل کرسکے۔ اس کـا مطلب یہ ہے کہ اب انقلاب عمومی اپـنے مختلـف ادوار میں آپ کے اتباع سے باہر نہیں جاسکتا۔

اس اجمـال کی تفصـیل یہ ہے کہ جـو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کـا خاصـہ ہے وہ ایـک دن میں سـاری دنیـا میں نہیں پھیـل سـکتا۔ اس انقلاب کا پہلا حصہ وہ تھا جو خلافت راشدہ سـے شروع ہوکر عباسی حکومت کے خاتمہ تک کامیاب

رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھنے کے لئے ایک اور قوم ایرانیوں کو ذریعہ بنایا گیا۔ لیکن قریش کے تنزل اور ایرانیوں کے عروج کا درمیانی وقفہ انقلاب کی "رات" تھی۔ اس میں نئی قوم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوکر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ خیال کرنا غلطی ہے۔ یہ سب ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں جب تک انسان روئے زمین پر قائم ہے، یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آسکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہوچکی ہوں ایک سطح پر آکر اس کے ماتحت مل جائیں ۔ اس وقت یہ انقلاب عمومی، مکمل ہوگا۔

پس المزمل سے مراد وہ صاحب امامت کبریٰ ہے جس کے ماتحت تمام اقوام عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا الحاشر ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

المزمل کے دوسرے معنی :امام ائمہ انقلاب

(۲) زَمَلَ یا اِزْدَمَلَ کے دوسرے معنی ہیں حمَلَ بِمَرَّۃٍ وَاحِدَۃٍ (المنجد) (یعنی اونٹ کی طرح بوجھ اٹھاکر ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا)

اِزْدَمَلَ: اِحْتَمَلَ یعنی بوجھ اٹھالیا۔ (صراح) وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالیٰ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ یاایھا المزمل بھی

اسی معنی میں ہیں ۔

رازی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ مزمل کے معنی ہیں وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ کیونکہ زَمَّل کے معنی ہیں حَمَلَ

یہ بار کیا ہے؟ : قومی اور بین الاقوامی انقلاب

یہ بار جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپ نے پہلے اپنی قوم کو ترقی دے کر بین الاقوامی درجے کے کام کرنے والے کارکن تیار کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ گواگر آپ ایسا کرتے تو بھی کسی عقلمند کواس پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ نے بین الاقوامی انقلاب کو موخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام ایک ہی وقت شروع کرلئے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپ نے جوانمردی، ہمت، محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قریش کی ذہنیت ایسی تیار کی کہ وہ جہاں امرائِ مدینہ کے ساتھ مل کر کام کرسکے وہاں بلال حبشی رضی اللہ عنہ ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ غیر عربوں کے ساتھ اور ان کے ماتحت بھی کام کرسکے۔

جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بارگراں اٹھاتا ہے وہ امام انقلاب کہلاتا ہے۔

اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ المزمل یعنی آخری درجہ کے امام ائمہ انقلاب ہیں ۔ مولانا محمد قاسم ضاللہعنہ اس آخری درجہ کا نام خاتم النبین رکھتے ہیں ۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔

(قرآنی شعور انقلاب ص ۳۱۷،۳۱۸)

★

مدثر کے معنی

موطا امام مالک میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک نام الماحی بھی ہے۔ جس کے معنی خود حضرت نبی اکرم ﷺ نے بتائے ہیں کہ: " یمحو اللہ بی الکفر" (یعنی میرے ذریعے سے اللہ کفر کو محو کرے گا) چنانچہ لغوی طور پر دثر کے معنی اھلک (ہلاک کرنا) بیان کئے گئے ہیں جو بالکل الماحی کے معنوں کے مترادف ہیں ۔ پس مدثر کے معنی ہیں دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم و جور مٹانے والا۔ نبی اکرم ﷺ کا ملت حنیفیہ یعنی حضرت ابراہیم علیسلم کے اصول حیات کے دوبارہ زندہ کرنے سے کریں گے جو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی، اور جس کے نمائندے قریش تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ایک نکتہ:

سیرت نبی (علیٰ صاحبها التحیتہ والسلام) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ملت حنیفیہ ابراھیمیہ کے قیام کے لئے طبعاً بے تاب تھے۔ آپ کی تربیت بھی قریش کے اونچے گھرانوں میں

ہوئی، جن میں اس ملت کی اچھی باتیں باقی تھیں۔ [5]

پھر وہ انقلاب کا زمانہ تھا۔ فارس اور روم آپس میں لڑرہے تھے اور چاہتے تھے کہ دنیا کی اقوام کو اپنے قبضے میں لائیں۔ ان سیاسی اور جنگی حالات کا اثر قریش پر بھی پڑ رہا تھا، کیونکہ ان کے تجارتی تعلقات دونوں ممالک کے ساتھ تھے اور ان ملکوں میں ان کی کافی آمد و رفت تھی۔ چنانچہ قریش کا سمجھدار طبقہ سیاسی میلانات کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم ہوگیا تھا:

(۱) ایک طبقہ قیصر کی طرف مائل تھا۔

(۲) دوسرا طبقہ کسریٰ ایران کی طرف مائل تھا۔

(۳) تیسرا طبقہ دونوں سے الگ تھا اور حنیفیت پر قائم تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ طبعاً اس تیسرے گروہ کے سرگرم رکن تھے یہ گروہ اگرچہ اقلیت میں تھا لیکن عرب پر قریش کی سیادت قائم کرکے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ میں اس قسم کی قیادت کی طبعی خداداد استعداد بھی

---

[5] یہ خیال غلط ہے کہ قریش اور اہل عرب افریقہ کے وحشیوں کی طرح بالکل وحشی لوگ تھے جن میں کوئی انسانی خوبی باقی نہ رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش اور اکثر اہل عرب میں ملت حنیفہ کا اچھا خاصہ حصہ باقی تھا۔ جیسے آج کل مسلمانوں کی تباہی کے باوجود ان میں اپنے بزرگوں کی بہت سی اچھی باتیں موجود ہیں تفصیل کے لئے دیکھو(حجتہ اللہ البالغہ ج اول ص ۱۲۴)

موجود تھی۔ آپ کو اس انقلاب میں کامیابی کے لئے جس ہدایت کی ضرورت تھی اور جس کے لئے آپ سرگرداں تھے (وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا)[2] وہ خداوند تعالیٰ نے فراہم کردی (فَہَدٰی) [3]

آپ قرآن حکیم کے ذریعے سے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) میں سے ہر قسم کا ظلم خواہ وہ خدا اور بندوں کے تعلقات میں ہو یا فقط بندوں کے باہمی تعلقات میں یعنی روحانی ہو یا اقتصادی سب مٹادیا جائے گا اور اس کی جگہ خدا کے ساتھ صحیح طریق پر تعلقات قائم کئے جائیں گے اور انسانیت میں معاشیات، معاشرت اور اقتصادیات میں ایک نظم جدید پیدا کیا جائے گا۔ اس انقلاب میں کسی خاص قوم یا ملک کی خصوصیت نہ ہوگی۔ بلکہ وسیع ترین معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر ہوگا۔

اسلام کا جامع انقلاب:

دنیا میں اب تک جو انقلابات ہوئے ہیں وہ سب کے سب جزوی انقلابات ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی عالمگیر اور جامع انقلاب نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری امام انقلاب ہیں ۔ جن کی دعوت جامع عالمگیر انقلاب کے لئے ہے اور آپ نے اس جامعیت کا بہترین نمونہ

---

[2] اللہ تعالیٰ نے تمہیں سرگرداں پایا۔
[3] پھر ہدایت دی۔

سرزمین حجاز میں قائم کرکے دکھادیا۔ جسے دنیا اب تک اس حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے۔ آپ کے انقلاب میں اس وقت کی مہذب اقوام کا بیشتر حصہ آگیا۔ اور سب کو خدمت انسانیت کے ایک نقطہ پر جمع کرکے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست کردیئے۔ بلکہ ان کے آپس کے تعلقات بھی درست کردیئے۔ اب جب کبھی کوئی جماعت جامع بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنا چاہے گی اسے آپ ہی کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ جو جماعت اس لائحہ عمل کے خلاف کوئی اور لائحہ عمل لے کر اٹھے گی وہ یا تو سرے سے ناکام رہے گی یا صرف جزوی طور پر کامیاب ہوگی۔ چنانچہ فرانس، جرمنی، ٹرکی اور روس کے انقلابات اس اصول کی بین مثالیں ہیں۔ ان انقلابوں میں وہ جامعیت نہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیدا کردہ حجازی انقلاب میں تھی۔ جس نے بعد میں قیصر و کسریٰ کو بھی ہضم کرلیا۔

الغرض ہمارے نزدیک المدثر کے معنی ہیں "المھلک الکفر" یعنی انسانیت میں سے ہر قسم کا کفر (انکار) نکالنے والا وہ انکار خواہ خدا کے حقوق کے متعلق ہو یا انسانوں کے حقوق کے متعلق یہ انقلاب اسے انسانیت میں سے نکال باہر کرے گا۔

اس لفظ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا طبعی اور فطرتی عزم و استقلال ظاہر کرتا ہے جو اس کفر کے خلاف

انقلاب برپا کرنے کے بارے میں ان کے دل میں پوشیدہ ہے۔

انقلاب میں اشاعت کی ضرورت:

(۲) قُمْ: (اٹھ)

یعنی اے وہ کہ تو دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم اور کفر مٹانے کا تہیہ اور پختہ عزم کئے ہوئے ہے، ہم سے ہدایت لے اور محنت سے کام کرے اور جن لوگوں تک تیری آواز پہنچ سکتی ہے ان کو انسانی انقلاب کا یہ پیام سنادے۔ اور ایسے لوگ تیار کر جو یہ انقلابی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچادیں ۔ ایسے خاص لوگوں کی مرکزی قوت راتوں کو کھڑے ہوکر قرآن حکیم کی تعلیم پر تدبر کرنے ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ جس کا ذکر سورۂ مزمل میں آچکا ہے۔ چنانچہ تجربہ نے ثابت کردیا کہ اس شبانہ تعلیم نے وہ لوگ پیدا کردیئے جنہوں نے اس انقلاب کو فارس اور روم تک پہنچادیا ۔ اور پھر آگے وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسے حبشیوں ، ترکوں اور ہندیوں تک پہنچادیا۔ اب پھر یہ انقلاب پہلو بدل رہا ہے۔ اور انشاءاللہ اس کی دعوت ہندوستان سے یورپ کی اقوام تک پہنچے گی۔

(قرآنی شعور انقلاب ص ۳۶۰)

حضرت موسیٰ علیسلم کی مثال:

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شاندار بین الاقوامی کامیابی اسی اصول طبعی کی پابندی کی رہین

منت ہے۔ یہ اصول اس سے پہلے بھی برتنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیسلم نے فرعون کے بین الاقوامی مرکزیت کو توڑنے کے لئے اسی حربے سے کام لیا۔ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیسلم کی دعوت حنیفی کی ریاست سپرد کی (جو بین الاقوامی دعوت ہے) تو ان کو اور ان کے رفیق کار حضرت ہارون علیسلم کو حکم دیا:

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (طہٰ ۴۷)

(یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیامبر ہیں اس لئے بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو عذاب مت دے! ہم تیرے پاس تیرے رب کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے ہیں ۔ اب جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہی سلامت رہ سکتا ہے۔)

چنانچہ خدا کے دونوں پیامبر فرعون کے پاس جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیسلم بطور نمائندے گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (الاعراف ۷: ۱۰۵)

(میں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانی لے کر آگیا ہوں ۔ اس لئے اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کردو)

بالکل ایسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ نے پہلے قریش اور عرب میں بین الاقوامی کام کو قومی

رنگ میں کرنا شروع کیا اور ان مظالم سے پاک کرنے کی کوشش کی جو وہ انسانیت پر کر رہے تھے۔ اور ان کو تعلق باللہ کا وہ سبق یاد دلایا جو وہ بھول چکے تھے۔

(۱۶) فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا
(فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا)

فرعونی ملوکیت کا خاتمہ:

فرعون کی ملوکیت، بنی اسرائیل اور سب مصریوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر رہی تھی۔ اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلالت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان سے اتنی محنت و مشقت لی جاتی تھی کہ ان کو بیلوں اور گدھوں کی طرح تمام گھریلو کاموں کے لئے استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اہرام مصر (Paramids) جیسی عظیم الشان عمارتیں جن کی تعمیر میں لاکھوں من پتھر کی سلیں لگی ہیں سب مصریوں کے ہاتھوں بنوائی گئیں ۔

جب حکمران طبقے اپنی قوم کو یوں ذلیل بنائے تو اسے کیوں زندہ رہنا چاہئے؟ وہ تو اپنی قوم کو آدمی ہی نہیں مانتے! بنی اسرائیل کی ان کے ہاں کیا قیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کے ساتھ جانے دینے سے انکار کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیسلم نے بنی

اسرائیل کو آزادی کے پروگرام پر منظم کرلیا اور بالآخر ان کو مصر سے نکال لے گئے۔ اب خداوند تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی خاص مدد فرمائی۔ اور ان کے دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے برباد کردیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ: کسریٰ اور قیصر

اسی طرح چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ (Pharoas) کسریٰ ایران اور قیصر روم ۔۔۔۔ کے لئے ایک نبی عظیم ﷺ آیا جس نے ان کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا قانونقرآن حکیم قبول کرکے اسے رائج کریں اگر وہ اس قانون کو رائج نہ کریں گے تو کسانوں پر جو ظلم وہ کررہے ہیں اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ قیصر روم کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ الفاظ خاص ہیں :

اِنِّی اَدْعُوْکَ بِدَاعِیَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِیکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ

(الصحیح البخاری باب بدءالوحی)

(میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں ۔ اگر اسے مان لو گے تو دنیا میں بھی بچ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا دگنا اجر بھی دے گا اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے کسانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں اور وہ اپنی جہالت کے باعث جو غلطیاں کر رہے ہیں ان کے تم ذمہ دار ہوں گے)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ

کی انسان دوستی شروع ہی سے ملوکیت پرستوں کے جوئے تلے دبے ہوئے لوگوں خصوصاً کسانوں کے ساتھ تھی کیونکہ ان ممالک کی غالب آبادی ان کسانوں وغیرہ ہی پر مشتمل تھی۔ چنانچہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ (ص ۱۰۵) میں اس طبقہ کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔

کسریٰ و قیصر نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح فرعون کو دنیا میں سزا دی گئی اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں ۔ اور نبی اکرم کا ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ (کسریٰ و قیصر ہلاک کردئیے جائیں گے اور ان کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں ہوگا)

یہ تھا بین الاقوامی انقلاب، جو حضرت محمد رسول اللہ نے قرآن کے ذریعہ سے پیدا کیا اور جس کا فائدہ تمام کمزور جماعتوں کو پہنچا۔

(۱۷) فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا

(۱۸) (الف) السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ: (تم کس طرح بچ سکو گے؟ اگر تم نے انکار کیا اس دن کا جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور جس سے آسمان پھاڑا جائے گا۔)

وہ یوم انقلاب آنے والا ہے اور جس طرح قیامت کبریٰ کا عذاب ایسا خوفناک ہوگا کہ بچے

بوڑھے ہوجائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اسی طرح چھوٹے پیمانے پر آنے والے ایام انقلاب میں تمام مخالفین کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس یوم انقلاب کے لانے کے لئے خدائے قدیر اور مدبر السموت والارض تدابیر کررہا ہے۔ اگر اسے قریب تر لانے کے لئے آسمانی قوتوں کو پھاڑنا (یا بقول حضرت مسیح علیسلم "بلانا") پڑے گا تو وہ بھی کر ڈالے گا۔

انقلاب کے لئے تدبیر الٰہی کے طریقے:

تبدیر الٰہی کے انہی اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے امام ولی اللہ فرماتے ہیں :

وَاِذَا تَهَيَّأَتْ اَسْبَابُ هٰذَا الشَّرِّ اِقْتَضَتْ رَحْمَةُ اللّٰہِ بِعِبَادِہٖ وَلُطْفُہٗ بِهِمْ وَعُمُوْمُ قُدْرَتِہٖ عَلَى الْكُلِّ وَشُمُوْلُ عِلْمِہٖ بِالْكُلِّ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ تِلْكَ الْقُوٰى وَالْاُمُوْرِ الْحَامِلَةِ لَهَا بِالْقَبْضِ وَالْبَسْطِ وَالْاِحَالَةِ وَالْاِلْهَامِ حَتّٰى تَنْقَضِيَ تِلْكَ الْحَالَةُ اِلَى الْاَمْرِ الْمَطْلُوْبِ

یعنی جب عارضی قباحت کے اسباب جمع ہوجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس عارضی قباحت کو دور کرکے مصلحت عامہ کے مطابق حالت پیدا کردی جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز پر براہ راست قادر ہے۔ اور کائنات کے ذرہ ذرہ کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے ا س غرض کے لئے وہ مخلوقات اور ان کی قوتوں میں تصرف کرتا ہے اس کے تمام تصرفات

چار قسموں میں منقسم ہوجاتے ہیں :

(۱) قبض: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے خلاف ہوں ان کی قوت عاملہ روک دی جاتی ہے)

(۲) بسط: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے لئے مفید ہوں مگر کمزور ہوں ان کو قُوٰی مثالیہ سے مدد پہنچا کر طاقتور بنادیتا ہے)

(۳) احالہ: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کی غرض سے اگر ضرورت پڑے تو ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کردیا جاتا ہے)

(۴) الہام: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کے اصول کی محبت یا اس کے مخالف قوتوں کی نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کے حق میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

کسریٰ و قیصر اور ان کے متبع میں قریش کو انذار:

الغرض ان تدابیر کے ذریعے سے قرآنی انقلاب لایا جائے گا اور کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی اور نہ حجاز میں کوئی غیر انقلابی رہنے پائے گا۔ اب اگر فرعون حضرت موسیٰ علیسلمکی تحریک انقلاب کی مخالفت کرکے بچ نہ سکا تو قیصر و کسریٰ اور ان کے مکی اور حجازی متبعین اس انقلاب سے جو قرآن حکیم لانے والا ہے کس طرح بچ سکتے ہیں ؟

اس پیشگوئی کی تصدیق:

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی حرف بحرف

صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد جنگ بدر میں ابوجہل اور اس کے متبعین اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم ہلاک ہو گئے۔

(ب) کَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا: (یہ بات ہوکر رہنے والی ہے) یہ انقلاب ہوکر رہے گا اور کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

یہ اعلان جنگ بدر سے تیرہ سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور بدر میں عین اس کے مطابق ہو کر رہا۔

انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت:

ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا اور قرآنی نظام (Quranic Order) **کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی اس لئے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدر اسلام میں پیش آئی تھی اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے واقعۃً زندگی بسر کی۔ اس لیے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں اور جو واقعی قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں ، قیامت کبریٰ ہی پر محمول کرکے خاموش ہوگئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو۔**

(قرآنی شعور انقلاب ص ۳۴۱،۳۴۶)

سورۂ فتح کا مرکزی واقعہ

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں ۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ ۶ ہجری میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ گویا آپ اور مسلمان مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں ۔ اس خواب کی کیفیت سن کر غریب الوطن مسلمان جو عرصہ سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بے تاب تھے اور بھی بے چین ہوگئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ بھی عمرہ کے لئے جانے پر تیار ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کی جماعت ذی قعدہ ۶ ھ میں مدینہ منورہ سے نکلی۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ پندرہ سو صحابہ تھے۔ (رضی اللہ علیہم اجمعین) جن میں کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل۔ جب آنحضرت ﷺ ذی الحلیفہ کے گاؤں پہنچے تو آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس بھیجا کہ قریش کی خبر لائے۔ چنانچہ جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو وہ سکاؤٹ واپس آیا اور اس نے خبر دی کہ قریش آپ کو روکنے اور آپ سے لڑنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں ۔

جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا ۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے

لئے گھر سے نہیں نکلے لیکن اگر کوئی ہمیں بیت اللہ (کعبہ) تک پہنچنے سے روکے گا تو اس سے لڑیں گے۔ یہ سن کر حضرت نبی اکرم ﷺ آگے بڑھے اور کچھ دور جاکر آپ نے فرمایا کہ خالد بن ولید غمیم میں ہے۔ ہم دائیں کو ہوچلیں ۔ یہاں تک کہ آپ اپنی جماعت سمیت اس وادی تک پہنچ گئے جہاں سے مکے کو جاتے ہیں ۔ یہاں آپ کی اونٹنی یکایک ٹھہرگئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قریش مجھ سے کسی ایسی بات کا مطالبہ کریں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم ہوتی ہو تو میں ان کی بات مان لوں گا۔ آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر اترے یہاں سے مکہ صرف ۱۹ میل تھا۔

یہاں سے آپ نے حضرت عثمان ضاللہعنہ بن عفان کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تاکہ انہیں خبر دیں کہ مسلمان صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں ساتھ ہی انہیں ہدایت کردی کہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان چھپے چھپے رہتے ہیں ان سے بھی ملیں ۔ اور انہیں فتح کی خوشخبری دیں اور انہیں اطمینان دلادیں کہ مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجائے گا اور کسی کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی ۔چنانچہ حضرت عثمان بلوح کے مقام پر قریش کی جماعت سے ملے اور پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

اس اثناءمیں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان ضاللہعنہ کو قتل کردیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر اس خبر کا اثر پڑسکتا تھا۔ ظاہر ہے آنحضرت ﷺ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے تمام حاضرین سے اس امر پر اقرار لیا کہ اگر اب لڑنا پڑے تو ثابت قدم رہیں گے۔ مسلمانوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت ابوسنان الاسدی نے بیعت کی۔ ایک صحابی حضرت سلمہ بن اکوع نے تین مرتبہ بیعت کی یعنی شروع میں ، بیچ میں اور آخر میں ۔

یہ خبر سن کر قریش کے ہوش جاتے رہے۔ اور انہوں نے صلح کے لئے آدمی بھیجے۔ آخر ان باتوں پر صلح ہوگئی۔

(۱) یہ صلح دس سالوں تک رہے گی۔

(۲) جو قبیلے قریش سے ملنا چاہیں ، قریش سے مل جائیں اور جو مسلمانوں سے ملنا چاہیں مسلمانوں سے مل جائیں ۔

(۳) مسلمان ابھی واپس جائیں اور اگلے سال کعبہ کا طواف کرلیں ۔

(۴) اگر مکے والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہوکر نبی اکرم ﷺ کے پاس چلا جائے تو اسے قریش کے طلب کرنے پر واپس کردیا جائے اور اگر کوئی مسلمان قریش میں چلا گیا تو اسے واپس نہیں دیا جائے گا۔

اس شرائط پر ابھی بحث ہورہی تھی کہ مسلمان ابوجندل رضی اللہ عنہ بن سہیل مکے سے آیا اور تمام مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ قریش کے سفیر نے معاہدے کی شرط کے مطابق اسے طلب

کیا حالانکہ ابھی اس شرط پر بحث ہورہی تھی۔ اس آخری شرط سے سب مسلمان سوائے حضرت ابوبکررضی اللہ عنہ کے سخت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کی ترجمانی حضرت عمررضی اللہ عنہ نے کی۔ آپ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ "یارسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں ؟" آپ نے فرمایا یقینا ۔پھر انہوں نے پوچھا کہ "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہیں؟" آپ نے فرمایا یقیناً۔ پھر حضرت عمررضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟" آپ نے فرمایا کہ "کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی ہی سال کریں گے؟" حضرت عمررضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "نہیں" ۔تو آپ نے فرمایا کہ "یقین رکھو ہم ضرور یہاں آئیں گے اور طواف کریں گے۔"

حضرت عمررضی اللہ عنہ نے اسی قسم کی باتیں حضرت ابوبکررضی اللہ عنہ سے بھی کیں ۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی وہی جوابات دئیے، جو آنحضرت نے دیئے تھے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت جو بات فرمائیں اسے مرتے دم تک بے چون و چرا مانتے رہو۔ غرض یہ شرط منظور ہوگئی اور آنحضرت ﷺ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو قریش کے سفیر کے حوالے کردیا۔ اور ابوجندل رضی اللہ عنہ نے صبر کے ساتھ اپنی مصیبت کو قبول کرلیا۔ اور تمام مسلمان یہ تلخ گھونٹ پی کر

بھی چپکے ہو رہے۔

ابھی حضرت نبی اکرم ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی(۸۰) آدمی کوہ نعیم سے صبح کے وقت اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کی حالت میں قتل کردیں ۔ یہ سب لوگ گرفتار کرلئے گئے۔ لیکن آنحضرت نے انہیں معاف کرکے رہا کرادیا۔

اس معاہدے کے بعد آپ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ راستے میں سورہ فتح کے شروع کی آیتیں اتریں ۔

ترجمہ: ہم نے تجھے کھلی فتح دی اور تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کردیں اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کردی اور (یہ کہ وہ) سیدھی راہ کی طرف تیری راہنمائی کری اور تجھے زبردست مدد دی۔

اس پر حضرت عمرضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ (یعنی حدیبیہ کا صلح نامہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہی چیز ہے جسے فتح قرار دیا گیا ہے۔

آپ مدینہ منورہ میں ذی الحجہ کے شروع میں واپس تشریف لے آئے۔ یہاں کوئی تین ہفتے ٹھہرے ہوں گے کہ محرم میں خیبر پر چڑھائی کردی۔ اس معرکہ میں صرف ان مسلمانوں کو شامل ہونے کی اجازت تھی جو حدیبیہ کے واقعہ میں شریک رہ چکے تھے۔

صلح کا نتیجہ اور اثر:

اس صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور ان کے مخالفوں میں راہ و رسم بڑھا اور میل جول زیادہ ہوا تو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے اور لوگ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے اثر لے کر مسلمان ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ کی چوتھی شرط کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مخالفین میں سے جو شخص مسلمان ہو کر شرط کے مطابق مخالف کیمپ میں بھیجا جائے گا، وہ ضرور وہاں بھی اپنا کام کرتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے عین معاہدہ لکھے جانے کے وقت قریش کے حوالے کردئے گئے۔ انہیں مکہ معظمہ لے جاکر قید کردیا گیا۔ لیکن جو شخص ان کی نگرانی پر مقرر ہوتا وہ ان کے سمجھانے سے مسلمان ہوجاتا۔ اب دونوں مل کر تلقین کرتے۔ اس طرح ان قیدیوں کی تلقین سے تین سو کے قریب آدمی مسلمان ہوگئے۔ قریش مکہ نے بہتیرا چاہا کہ آنحضرت ﷺ معاہدہ کی اس شرط کو توڑ کر ان مسلمانوں کو اپنے ہاں لے لیں ۔ لیکن آپ نے معاہدہ توڑنا قبول نہیں فرمایا۔ آخر قریش کو خود ہی ان مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا پڑا۔

حدیبیہ میں اسلامی جماعت کے ضبط کا حال اوپر بیان ہوچکا ہے۔ لوگ تو آنحضرت کے سامنے تھے لیکن حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ آپ سے دور ہوتے ہوئے بھی جماعتی ضبط کے اتنے پابند نکلے

کہ جب مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے قرار دیا کہ ابوجندل ضللہعنہ نے ابوالعاص مکی کے جس قافلے کو لوٹا ہے اس کا مال اسے واپس کردیں تو انہوں نے اس فیصلے کی اطلاع پاتے ہی ابوالعاص کے قافلے کا سارا اسباب یہاں تک کہ رسی اور اونٹ کی مہار تک ابوالعاص کے حوالے کردی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ابوالعاص نے سارا مال حقداروں تک پہنچا کر اسلام قبول کرلیا۔

غرض اس صلح کے نتیجے کے طور پر لوگ کثرت سے اسلام لانے لگے۔ چنانچہ جہاں حدیبیہ کے واقعہ میں آنحضرت کے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے وہاں ایک سال بیچ دے کر اگلے سال فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار “قدوسی” تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ اب مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کے بادل چھٹ رہے تھے۔ گویا اس صلح نے اسلام کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

(قرآنی شعور انقلاب ص ۵۲۱، ۵۲۵)

اختتامیہ

اظہار رسالت عہدِ حاضر میں

پیغمبر اسلام ﷺ کو خصوصی طور پر اظہار* کی نسبت دی گئی ہے۔ آپ کے دین کے لئے مقدر کردیا گیا ہے کہ وہ تمام ادیان پر غالب و سر بلند ہو۔ یہی نسبتِ غلبہ آپ کی امت کو بھی حاصل ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا کہ ڈھائی ہزار سال کے ایک خصوصی منصوبہ کے ذریعہ وہ اسباب فراہم کئے جن کو استعمال کرکے آپ دین خدا کو غالب و ظاہر کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ آپ ﷺ کی امت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ پچھلے ہزار سال کے عمل کے نتیجہ میں خدا نے وہ موافق حالات کامل طور پر فراہم کردئے ہیں جو دور جدید میں اسلام کے غلبہ کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ پیغمبر کے امتی اگر ان موافق حالات کو حکمت اور صبر کے ساتھ استعمال کریں تو خدا کا وعدۂ نصرت دوبارہ پیغمبر کے امتیوں پر اسی طرح واقعہ بن سکتا ہے جس طرح وہ خود پیغمبر کے اوپر واقعہ بنا تھا۔

امریکہ سے ایک انسائیکلو پیڈیا چھپی ہے جس

---

* لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ (توبہ۔۳۳)

کا نام ہے: انسان اور اس کے معبود (Man and his Gods**)۔ اس کتاب میں مختلف مذاہب پر مقالے ہیں ۔ اسلام پر جو مقالہ ہے، اس کے عیسائی مقالہ نگار نے اسلامی انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے عظیم نتائج کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں – ”اس کے ظہور نے انسانی تاریخ کے رخ کو بدل دیا“:**

Its advent changed the course of human) history (p.389)

یہ ایک مستشرق کی زبان سے اسلامی انقلاب کی پیدا کردہ ان تبدیلیوں کا اعتراف ہے جنہوں نے تاریخ میں ایسے دور رس امکانات کھولے جن کے بعد اسلام کو غیر اسلامی ادیان پر غالب و برتر کرنا اسی طرح آسان ہوگیا ہے، جس طرح بارش آجانے کے بعد کھیت سے فصل اگانا۔

پیغمبر آخرالزماں اور آپ کے ساتھیوں کے ذریعہ جو انقلاب برپا کیا گیا وہ اگرچہ اصلاً توحید اور آخرت کی فکر پر مبنی ایک دینی انقلاب تھا۔ لیکن اس نے بہت سے دور رس دنیوی نتائج بھی پیدا کئے۔ آپ کے لائے ہوئے انقلاب کے دنیوی نتائج میں سب سے اہم وہ نتائج ہیں جنہوں نے قدیم زمانہ کے سماجی اور اجتماعی نظام کو اس طرح بدل دیا کہ وہ حالات ہی ختم ہوگئے جن میں دعوت حق کا کام ایک انتہائی مشکل کام بنا ہوا تھا۔

سورہ براءۃ نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا تاکہ وہ اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج بیت اللہ کی اجازت نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حج کے اجتماعات میں بلند آواز سے اس کا اعلان کرتا پھرتا تھا، یہاں تک کہ میری آواز بھاری ہوگئی (فکنت انادی حتی صحل صوتی، تفسیر ابن کثیر، الجزءالثانی، صفحہ۱۲۴) مگر آج لاؤڈ اسپیکر و دیگر وجود میں آنے کے بعد یہ مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ۔ یہ ایک سادہ سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں اعلان حق کا کام کتنا زیادہ آسان ہوچکا ہے۔

دین کی دعوت کے دوبڑے دور ہیں ۔ ایک پیغمبر آخرالزماں کے ظہور سے پہلے۔ دوسرا، پیغمبر آخرالزماں کے ظہور کے بعد۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے خدا کی جو کتابیں آئیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری خود ان امتوں پر ڈالی گئی جن کے پاس وہ کتابیں بھیجی گئی تھیں ۔ چنانچہ ان کے بارے میں قرآن میں استحفاظت (طلب حفاظت) کا لفظ آیا ہے۔

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

(المائدہ۔۴۴)

(کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور اس (کے حکموں اور ہدایتوں) پر گواہ تھے)

مگر قرآن کی حفاظت کے بارے میں فرمایا گیا کہ خدا نے اس کتاب کو اتارا ہے اور وہی اس کی

حفاظت کا ذمہ دار ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۔۹)

(بلاشبہ خود ہم نے "الذکر" (یعنی قرآن کو سرتاپا نصیحت ہے) اتارا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔)

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ خدا کا یہ منصوبہ تھا کہ شرک کو مغلوب کیا جائے ا ور توحید کو دنیا میں غالب فکر کا مقام عطا کیا جائے (الانفال ۳۹) یہ کام اتنے مختلف اسباب کی مساعدت چاہتا ہے جو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ڈھائی ہزار سالہ عمل کے نتیجے میں وہ موافق حالات پیدا کئے جن کو استعمال کرکے آپ نے شرک کو مغلوب کیا اور توحید کو فکری غلبے کے مقام پر پہنچایا۔

رسول اور اصحاب رسول کی کوششوں سے جو انقلاب آیا اس کے بعد شرک ہمیشہ کے لئے مغلوب ہوگیا۔ اب اس کی کوئی امید نہیں کہ شرک دوبارہ ایک غالب فکر کی حیثیت سے دنیا میں چھاسکے۔ تاہم موجودہ زمانہ میں دوبارہ یہ واقعہ ہوا کہ توحید والوں نے غالب فکر کی حیثیت سے اپنا مقام کھودیا۔ اس بارہ واقعہ'الحاد' کے ہاتھوں سے ہوا۔ چنانچہ آج کی دنیا میں الحاد نے غالب فکرکی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ بے خدا ذہن یا سیکولر ذہن آج دنیا کا غالب ذہن ہے۔ اس کے مقابلہ میں توحید کا ذہن عملاً دوسرے درجہ پر چلا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یقینا معلوم تھا کہ آئندہ دور

الحاد آنے والا ہے۔ اس لئے اس کی نصرت دوبارہ متحرک ہوئی۔ پچھلے ہزار سالہ عمل کے دوران اس نے دوبارہ ایسے حالات پیدا کرنے شروع کئے جو بالآخر غلبہ توحید کی جدوجہد کے لئے موافق زمین کا کام کرسکیں ۔ یہ عمل اب اپنی تکمیل کے مرحلہ میں پہنچ گیا ہے۔ آج اگرچہ بظاہر الحاد کا غلبہ ہے۔ مگر وہ موافق حالات پوری طرح پیدا ہوچکے ہیں جن کو استعمال کرکے دوبارہ توحید کو غالب فکر کا مقام دیا جاسکے۔

١۔ حضرت ابراہیم علیسلم نے تقریباً چار ہزار سال پہلے قدیم عراق کے دارالسلطنت (اُر) کے لوگوں کو پکارا کہ ایک خدا ہے جس کا حکم اور بندگی ہے، جو نفع و نقصان کا مالک ہے۔ خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ۔ اسی لئے تم اسی سے حاجتیں مانگو اور اسی کی پرستش کرو۔ اس دعوت توحید کے خلاف اس وقت کے مشرک بادشاہ نمرود کلدانی نے اتنا سخت ردعمل ظاہر کیا کہ آپکو آگ کے الاؤمیں ڈال دیا۔

آج بھی دنیا کے ہر ملک میں شرک کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ لیکن آج آپ کسی ملک میں دعوت ابراہیمی کو لے کر اٹھیں تو موجودہ زمانہ کا کوئی حکمران آپ کے ساتھ اس قسم کا شدید سلوک نہیں کرے گا۔

اس کی وجہ فلسفۂ حکومت کی تبدیلی ہے۔ نمرود کے زمانہ میں شرک ایک سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب کہ آج وہ صرف ایک

محدود مذہبی عقیدہ ہے۔ قدیم زمانہ میں عام طور پر مشرکانہ نظریۂ سیاست دنیا میں رائج تھا۔ نمرود، دور قدیم کے دوسرے بادشاہوں کی طرح، اسی قسم کے نظریہ کی بنیاد پر حکومت کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ سورج دیوتا کا مظہر ہے، اس لئے وہ دوسروں سے برتر ہے اور اس کو دوسروں کے اوپر حکمرانی کرنے کا فوق الفطری حق حاصل ہے۔ اس کے برعکس موجودہ زمانہ کے حکمراں اس قسم کے نظریہ حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ انہوں نے عوامی رائے کی بنیاد پر اپنے لئے حکمرانی کا حق حاصل کیا ہے نہ کہ کسی فق الفطری عقیدہ کی بنیاد پر۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کی دعوت میں موجودہ حکمرانوں کو اپنے اقتدار کے لئے کوئی چیلنج نظر نہیں آتا۔ جب کہ نمرود اور دور قدیم کے دوسرے بادشاہوں کو توحید کا عقیدہ پھیلنے میں اپنی سیاسی جڑکٹتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

قدیم زمانہ میں جب کوئی پیغمبر اٹھتا تو اکثر پہلے ہی مرحلہ میں وقت کے اقتدار سے اس کا ٹکراؤ شروع ہوجاتا اور غیر ضروری قسم کی مشکلات اس کی راہ میں حائل ہوجاتیں ۔ اس کی وجہ سیاسی ادارہ کے ساتھ فوق الطبیعی عقائد کی یہی وابستگی تھی۔ قدیم زمانہ کے بادشاہ عوام کو یہ یقین دلاکر ان کے اوپر حکومت کرتے تھے کہ وہ دیوتاؤں کی اولاد ہیں ، خدا ان کے اندر حلول کر آیا ہے۔ ایسے ماحول میں

جب توحید کی آواز بلند ہوتی تو ان کو نظر آتا کہ وہ ان کے سیاسی استحقاق کو بے اعتبار بنا رہی ہے۔ یہ اعتقادی پیچیدگی ان کو داعی حق سے ٹکرا دیتی تھی۔ اسلام نے ثابت کیا کہ ہر قسم کی فوق الفطری حیثیت صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان برابر ہیں ، ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ۔ اس طرح اسلام نے سیاسی ادارہ کو اعتقادیات سے جدا کردیا۔ اب حکومت کرنے کا حق کسی کو عوامی رائے سے ملتا تھا نہ کہ خدا سے کسی قسم کے پُر اسرار رشتہ کی بنیاد پر۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے قدیم زمانہ میں کچھ لوگ یہ بات مشہور کرکے اپنا طبی کاروبار چلاتے تھے کہ انہوں نے ایک جن کو مسخر کر رکھا ہے اور وہ ان کے پاس آکر ان کو فن طب کے رموز بتا جاتا ہے۔ ایسے ماحول میں اگر کوئی شخص یہ آواز بلند کرے کہ علم طب میڈیکل کالج میں سکھایا جاتا ہے نہ کہ جنات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے تو مذکورہ قسم کے طبیب ایسے شخص کے سخت مخالف ہوجائیں گے۔ مگر موجودہ زمانہ کے ایم بی بی ایس ڈاکٹر کو ایسی تحریک سے کوئی عداوت نہ ہوگی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کے ذریعہ تاریخ کا رخ موڑنے کا علم ساتویں صدی عیسوی میں شروع ہوا تھا۔ اب وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ دین کے داعیوں کے لئے اب خود انسانی اسلحہ خانہ میں ہر قسم کے

تائیدی اسباب موجود ہیں ۔ جدید قانونی او ر
سماجی تبدیلیوں نے اب اس کا موقع دے دیا
ہے کہ دعوت دین کا کام کھلے طور پر کیا جائے
اور کوئی فرعون یا نمرود اس کا راستہ
روکنے کیلئے میدان میں موجود نہ ہو، حقائق
کی دنیا جواب انسان کے علم میں آئی ہے اس
نے ایسے دلائل جمع کردئے ہیں جو دین کی
صداقت کو خالص علمی طور پر ثابت شدہ
بناسکیں ۔

موجودہ زمانہ میں ایک عظیم فکری انقلاب
آیا ہے۔ یہ انقلاب وہی ہے جس کو عام طور پر
سائنسی انقلاب کہا جاتا ہے۔ جدید سائنسی
انقلاب نے انسانی تاریخ میں پہلی بار ایسی
فکری تبدیلیاں پیدا کی ہیں جو دعوت توحید کے
عین موافق ہیں ۔ ان کومناسب طور پر استعمال
کیا جائے تو صرف قلمی اور لسانی تبلیغ کے
ذریعے غلبۂ توحید کا وہ مقصد حاصل کیا جاسکتا
ہے جس کے لئے پچھلے زمانوں میں تلوار اٹھانی
پڑتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنسی انقلاب زمانہ
رسالت کے اسلامی انقلاب کا ایک ضمنی حاصل (
By-product)۔ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخرالزماں
کے لائے ہوئے انقلاب کے ذریعے ایسے اسباب پیدا
کئے جنہوں نے تاریخ کے اندر اپنا عمل شروع کیا۔
تبدیلی کا یہ عمل ملسل جاری رہا۔ یہاں تک کہ
وہ اس انقلاب تک پہنچا جس کو جدید سائنسی
انقلاب کہا جاتا ہے۔ گویا خدا نے صدر اول میں

شرک کے اوپر توحید کو غلبہ دیا تو اسی کے اندر وہ اسباب بھی پیدا کردئے جو بعد کے زمانے میں الحاد پر توحید کو غالب کرنے میں مددگار بن سکیں ۔

اسلام کے ذریعے آنے والے توحیدی انقلاب سے پہلے ساری دنیا میں شرک کا غلبہ تھا۔ شرک دراصل مفادات و مظاہر پرستی کا دوسرا نام ہے۔ دنیا کی ہر چیز جو نمایاں اور اغراض کا محورنظر آئی اسی کو انسان نے اپنے غرض کا خدا بناکر پوجنا شروع کردیا، خواہ وہ آسمان کا سورج ہو یا زمین کابادشاہ۔ اس کی وجہ سے دور شرک میں سائنسی تحقیق کا کام ممکن نہ ہوسکا۔ آرنلڈ ٹوائن بی کے الفاظ میں ، فطرت کے مظاہر اس وقت پر ستش کا موضوع (Object of Worship) بنے ہوئے تھے، پھر وہ تحقیق کا موضوع (Object of Investigation) کیسے بنتے۔ اسلام نے شرک کو مغلوب کرکے توحید کو غالب کیا تو ایک خدا کے سوا ہر چیز مخلوق نظر آنے لگی، اس انقلاب نے یہ ممکن بنا دیا کہ چیزوں پر تحقیق کا عمل جاری کیا جاسکے۔ یہ عمل ابتدائی صورت میں دور اول ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ ایک بار چاند گرہن کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں ۔ وہ کسی بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کی بنا پر نہیں ہوتے۔ اس طرح آپ نے مادی بڑائی کی بھی نفی کردی اور انسانی بڑائی کی بھی۔ یہ فکری لہر عقیدے

سے الگ ہوکر یورپ پہنچی اور بالآخر جدید انقلاب کا سبب بنی۔

۱۔ اس انقلاب کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ توہماتی دور کا خاتمہ ہوگیا۔ توہم پرستی کیا ہے؟ توہم پرستی نام ہے حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرنے کے بجائے مفروضات و قیاسات کی بنیاد پر رائے قائم کرنے کا (مثلاً یہ فرض کرلینا کہ جب کسی بڑے آدمی کی موت ہوتی ہے تو سورج یا چاند گہنا جاتے ہیں) یہ ذہن اسلام کی طرف بڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ایسا آدمی حقائق واقعی کی بنیاد پر اسلام اور غیر اسلام کا جائزہ نہیں لیتا بلکہ پیشگی مفروضات کی بنیاد پر بلادلیل ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط مان لیتا ہے۔ مثلاً اسلام تاریخی طور پر ایک مستند دین ہے اور دیگر تمام مذاہب اپنی اوریجن کی تاریخی استناد سے محروم ہیں ۔ مگر توہمات کے دور میں انسان اس کو اہمیت نہیں دے پاتا تھا۔ جدید دور نے اس کو پوری اہمیت کے ساتھ لیا۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں تنقید عالیہ (Higher Criticism)ـ کے نام سے ایک مستقل فن وجود میں آگیا ہے۔ اس فن کے تحت یہ حقیقت پوری طرح مسلّم ہوگئی ہے کہ تاریخی طور پر معتبر دین صرف اسلام ہے۔ دوسرے ادیان کو تاریخی اعتباریت کا درجہ حاصل نہیں ۔

۲۔ سائنسی ذہن نے کائنات کو تجربہ اور مشاہدہ

کی روشنی میں جاننے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں کائنات میں چھپے ہوئے ایسے فطری حقائق انسان کے علم میں آئے جو اسلام کی تعلیمات کی تصدیق اعلیٰ سطح پر کر رہے ہیں ۔ مثال کے طور پر انسان کی تحقیق نے بتایا کہ کائنات میں ہر جگہ ایک ہی قانون فطرت کارفرما ہے۔ جو قانون زمین کے احوال پر حکمراں ہے وہی قانون کائنات کے دور دراز مقامات پر بھی حکمران ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اس کائنات کا خدا صرف ایک ہے۔ دو خدایا بہت سے خداؤں کی اس کائنات میں گنجائش نہیں ۔

۳۔ دین توحید کو قدیم زمانے میں اختیار کرنے کے لئے، ایک علمی رکاوٹ، قدیم فلسفہ بھی تھا۔ قدیم زمانے میں فلسفہ کو غالب علم کا مقام حاصل تھا۔ تعلیم یافتہ طبقہ کے سوچنے کی ذہنی زمین اس زمانہ میں فلسفہ ہوتا تھا۔ اس کے نتیجے میں دین توحید کی راہ میں ایک بہت بڑی مصنوعی رکاوٹ حائل ہوگئی تھی۔

قدیم فلسفہ کا آخری نشانہ ہمیشہ سے آخر سچائی کی تلاش رہا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ تقریباً پانچ ہزار سال کی شان دار تاریخ کے باوجود فلسفہ اپنے نشانہ تک پہنچنے میں مکمل طور پر ناکام رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فلسفہ انسان کی محدودیتوں (Limitations) کا ادراک نہ کرسکا۔ وہ آخری

سچائی تک پہنچنے کے لئے ساری کوششیں صرف کرتا رہا۔ جب کہ انسان اپنی محدود صلاحیتوں کی وجہ سے بطور خود آخری سچائی تک پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔

اس فلسفیانہ طرز فکر کی وجہ سے ہزاروں برس تک انسان یہ چاہتا رہا کہ دین توحید کی بنیاد جن اساسی عقائد پر قائم ہے۔ اس کو انسان کے لئے مکمل طور پر معلوم اور مشاہد بنادیا جائے۔ مگر یہ تمام غیبی حققتیں تھیں اور انسان اپنی موجودہ صلاحیتوں کے ساتھ آپ ہی آپ ان غیبی حقیقتوں کا کامل ادراک نہیں کرسکتا۔

جدید سائنس کا، دینی نقطۂ نظر سے، سب سے برا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس مفروضہ کو ڈھادیا۔ اس نے آخری طور پر یہ ثابت کردیا کہ انسان کی صلاحیتیں محدود ہیں ۔ وہ اپنی محدودیت کی وجہ سے حقیقت کا کلی ادراک نہیں کرسکتا۔ قدیم فلسفہ کی پیداکردہ ذہنی زمین اب ساری دنیا میں دفاعی حیثیت کے مقام پر جاچکی ہے۔ اور اب سائنس کی دریافت کردہ ذہنی زمین کو علمی دنیا میں غالب مقام حاصل ہے ۔

ذہن کی اس تبدیلی نے دین توحید کے لئے راستہ صاف کردیا ہے ۔ اب اس نقطۂ نظر کو ، کم از کو بالواسطہ طور پر، مکمل علمی تائید حاصل ہے کہ انسان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ حقیقت اعلیٰ کو پانے کے لئے وہ پیغمبر

کی اطلاع کا اعتبار کرے۔ اب یہ مطالبہ سراسر غیر علمی مطالبہ بن چکا ہے کہ خدا اور وحی اور آخرت کو ہماری آنکھوں سے ہمیں دکھاؤ، اس کے بعد ہی ہم اس پر ایمان لائیں گے۔

معلوم تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ خود علم انسانی نے یہ ثابت کردیا ہے کہ انسان کا علم محدود ہے اور ہمیشہ محدود رہے گا۔ انسان سائنسی ذرائع سے جب کائنات کی کھوج کرتا ہے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ کائنات اس سے زیادہ پیچیدہ ہے کہ انسان کا محدود ذہن اس کا احاطہ کرسکے۔ سائنس کی یہ دریافت اسلامی نقطۂ نظر سے بہ حد اہم ہے۔ کیونکہ اس سے رسالت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ ایک طرف انسان کا یہ حال ہے کہ وہ حقیقت کو آخری حد تک جان لینا چاہتا ہے۔ دوسری طرف انسان اپنی بناوٹ کے اعتبار سے ایسی محدودیت کا شکار ہے کہ وہ کبھی بھی حقیقت کو آخری حد تک نہیں جان سکتا۔ انسانی زندگی کا یہ خلا واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ اس کو ایک برتر رہنما کی ضرورت ہے۔ اسی برتر رہنما کا دوسرا نام پیغمبر ہے۔ انسانی محدودیت کے بارے میں سائنس کے اقرار نے پیغمبر کی ضرورت کو خالص علمی سطح پر ثابت کردیا ہے۔

۴۔ قدیم زمانہ میں انسان کو اظہار رائے کی آزادی حاصل نہ تھی۔ اس کی اصل وجہ بادشاہوں اور بڑے انسانوں کے تقدس کا عقیدہ تھا۔ جو لوگ کسی وجہ سے اونچے

مقام پر پہنچ جاتے ان کو مقدس سمجھ لیا
جاتا ان کی رائے دوسروں سے برتر مانی
جاتی، ان کو یہ حق مل جاتا کہ جس طرح
چاہیں دوسروں کو اپنی مرضی کا پابند
بنائیں ۔ توحید کے انقلاب نے ہر سطح پر
انسانی غلامی اور بڑائی کا خاتمہ کیا اور یہ
اعلان کیا کہ کسی انسان کو دوسرے انسان
پر فضیلت نہیں ۔ اس کے بعد تاریخ میں ایک
نئی فکری لہر چل پڑی۔ یہی وہ فکری لہر
ہے جس کی سیاسی تکمیل بالآخر یورپ میں
جمہوریت کی صورت میں ہوئی۔ جمہوری
انقلاب نے تمام انسانوں کو برابر ٹھہرادیا۔ ہر
شخص کے لئے یہ فکری حق تسلیم کرلیا گیا
کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق جو چاہے لکھے اور
جو چاہے بولے۔ اس انقلاب نے تاریخ میں پہلی
بار اس بات کو ممکن بنادیاکہ خدا کے دین کی
تبلیغ اس طرح کی جائے کہ تبلیغ کرنے والے کے
لئے کسی طرح کی پکڑ دھکڑ کا اندیشہ نہ
ہو۔

۵۔ سائنس نے آج کے انسان کے لئے خدا کی بہت
سی وہ مادی نعمتیں کھولی ہیں جو ہزاروں
برس سے کائنات کے اندر چھپی ہوئی تھیں ۔
ان میں اسلامی دعوت کے نقطۂ نظر سے سب
سے اہم جدید ذرائع مواصلات ہیں ۔ پریس،
ریڈیو، ٹیلی ویژن مانیٹ اور اسی طرح
مختلف قسم کی تیز رفتار سواریاں ۔ یہ
چیزیں اسلام کے حق میں عظیم نعمتیں

ہیں ۔ ان کو استعمال کرکے اسلامی دعوت کو عالمی سطح پر پھیلایا جاسکتا ہے۔

یہ مواقع جو عین اسلامی دعوت کے حق میں ہیں ، پچھلے ہزار سالہ عمل کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں ۔ پچھلے زمانے میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ڈھائی ہزار سالہ عمل کے ذریعے اسلام کے غلبۂ اول کے حالات فراہم کئے، اسی طرح اس نے دوبارہ ہزار سالہ عمل کے نتیجے میں اسلام کے غلبہ ثانی کے حالات فراہم کردئے ہیں ۔ تاہم یہ حالات و مواقع خود اپنے زور پر واقعہ نہیں بن جائیں گے۔ اس امکان کو واقعہ بنانے کے لئے زندہ انسانوں کی ایک جماعت درکار ہے۔ ایسی ایک جماعت اگر کھڑی ہوجائے تو قریبی مستقبل میں اسی طرح دوبارہ اسلام کو فکری غلبہ مل سکتا ہے جس طرح قرن اول میں اس کو شرک کے مقابلہ میں فکری غلبہ حاصل ہوا تھا۔ (مولانا وحیدالدین خان)

اس غلبہ کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ قرآن کے ان پہلے مخاطبین کے سامنے روایات کا مسخ شدہ دین نہیں تھا بلکہ قرآن کی ہدایت ان کا اصل الاصول تھی۔ انہوں نے توحید کے عظیم تصور کو صرف غیر اللہ کے سامنے ماتھا نہ ٹیکنے کا پیغام نہیں جانا بلکہ توحید کے تصور عظیم سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا عبدیت اور غلامی کے تمام تصورات کو خاتمہ یقینی بنایا۔ اور ہر سطح پر انسانی آزادیوں کی داغ بیل ڈال دی۔

اس طرح توحید میں اللہ تعالیٰ کی عبدیت کے

ساتھ اس کی ربوبیت اور اس کی حاکمیت کے تصورات پر قرآنی ہدایات کے عین مطابق عمل پیرا ہوئے۔ اس طرح انسانی کو معاشرت و اقتصاد کی بے مثال فیض رسانی ہوئی انہوں نے دنیا کو باطل قرار دیکر آخرت کی تیاری کا سامان نہیں بنایا بلکہ قرآن کی ہدایت کے مطابق حسنة فی الدنیا۔ دنیا کی حسناکیوں سے حسنہ فی الآخرت کا سامان تیار کیا۔ انہوں نے استخلاف فی الارض یعنی زمین پر خدائی خلافت کا ایسا مثالی نمونہ قائم کیا کہ انسانی فلاح و کامرانیوں کے میدان میں آئندہ کی انسانیت کیلئے شاندار روایتیں قائم ہوگئیں ۔

اب بھی قرآن حکیم کے بتائے ہوئے توحید کے انہی تصورات سے جن کو پیغمبر اسلام ﷺ اور اس کی جماعت نے اختیار کرکے بڑی عالمی تبدیلیوں کی بنیاد ڈالی، اس مضطرب و مسائل میں گھری ہوئی دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔۔ (مرتب)